eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد: 14 شمارہ: 4 مسلسل شمارہ: 62 اکتوبر تا دسمبر 2023ء

★ ذکری فرقہ: تاریخ، عقائد و رسوم
★ کلام امام علیؑ میں اعتدال کے نمونے
★ قرآن میں معاشی تربیت کے لئے الٰہی سنتیں
★ "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" چند صفحات کا مطالعہ (1)
★ تیسری صدی ہجری تک کے شیعہ سیرت و تاریخ نویس
★ "حیات طیبہ" تقویٰ، طہارت اور توبہ کے سائے میں

مدیر
ڈاکٹر محمد حسنین نادر

ناشر: نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

EBSCOhost

https://www.ebsco.com/

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

http://nooremarfat.com

https://www .nmt.org.pk/

کمپوزنگ وڈیزائننگ:بابر عباس

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

سہ ماہی تحقیقی مجلہ

نورِ معرفت

جلد: 14 شمارہ: 4 مسلسل شمارہ: 62

اکتوبر تا دسمبر 2023ء بمطابق ربیع الاول تا جمادی الثانی 1444ھ

مدیر: ڈاکٹر محمد حسنین نادرؔ

ORCID iD: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk + noor.marfat@gmail.com

ناشر: نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد

پبلشر سید حسنین عباس گردیزی نے پکٹوریل پرنٹرز، پرائیویٹ لمیٹڈ، 21، آئی اینڈ ٹی سینٹر، آبپارہ سے چھپوا کر نورالہدیٰ ٹرسٹ آفس بارہ کہو سے شائع کیا۔

رجسٹریشن فیس پاکستان، انڈیا: 1000 روپے؛ مڈل ایسٹ: 70 ڈالرز؛ یورپ، امریکہ، کنیڈا: 150 ڈالرز۔

مدیر اعلیٰ و ناشر: سید حسنین عباس گردیزی — چیئرمین نور الہدیٰ ٹرسٹ، اسلام آباد۔

مجلس نظامت

مدیر	ڈاکٹر محمد حسنین نادرؔ	پی۔ایچ۔ڈی۔ فلسفہ و کلام اسلامی، نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔
معاون مدیر	ڈاکٹر ندیم عباس بلوچ	پی۔ایچ۔ڈی، اسلامک اسٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
معاون تحقیقی امور	ڈاکٹر محمد نذیر اطلسی	پی۔ایچ۔ڈی۔ علوم قرآن، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ)، اسلام آباد۔
مشاور مدیر	ڈاکٹر ساجد علی سبحانی	پی۔ایچ۔ڈی۔ ادبیات عرب،، جامعۃ الرضا (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔
نگران فنی امور	ڈاکٹر ذیشان علی	پی۔ایچ۔ڈی، کمپیوٹر سائنسز۔
معاون فنی امور	فہد عبید	ایم۔ایس (سی۔ایس)

مجلس ادارت

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد	شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر عائشہ رفیق	شعبۂ علوم اسلامی، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔
ڈاکٹر عبدالباسط مجاہد	شعبۂ تاریخ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر روشن علی	شعبۂ علوم اسلامی، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر کرم حسین ودھو	شعبۂ ثقافتِ اسلامی، ریجنل ڈائریکٹوریٹ آف کالجز، لاڑکانہ۔
ڈاکٹر علی رضا طاہر	شعبۂ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔
ڈاکٹر ذوالفقار علی	شعبۂ تاریخ، نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔
ڈاکٹر سید نثار حسین ہمدانی	شعبۂ اقتصادیات (الٰہی اقتصادیات)، چیئرمین ہادی انسٹیٹیوٹ مظفر آباد، آزاد جموں و کشمیر۔

قومی مجلس مشاورت

ڈاکٹر ہمایوں عباس	شعبۂ علوم اسلامی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد۔
ڈاکٹر حافظ طاہر اسلام	شعبۂ علوم اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر عافیہ مہدی	شعبۂ علوم اسلامی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر سید قندیل عباس	شعبۂ بین الاقوامی تعلقات، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر زاہد علی زہدی	شعبۂ علوم اسلامی، یونیورسٹی آف کراچی۔
ڈاکٹر محمد ریاض	شعبۂ علوم اسلامی، بلتستان یونیورسٹی، اسکردو۔
ڈاکٹر محمد شاکر	شعبۂ نفسیات اور انسانی ترقی، یونیورسٹی آف بہاولپور۔
ڈاکٹر محمد ندیم	شعبۂ ایجوکیشن، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاولپور۔
ڈاکٹر رازق حسین	نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، اسلام آباد۔

بین الاقوامی مجلس مشاورت

ڈاکٹر وارث متین مظاہری	شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ ہمدرد، نیو دلی، انڈیا۔
ڈاکٹر سید زوار حسین شاہ	شعبۂ علوم قرآنی و حدیث، انجمن حسینی، اوسلو، ناروے۔
ڈاکٹر سید عمار یاسر ہمدانی	شعبۂ قرآن و قانون، المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی ایران۔
ڈاکٹر غلام رضا جوادی	شعبۂ تاریخ، خاتم النبیینؐ یونیورسٹی، کابل، افغانستان۔
ڈاکٹر جابر محمدی	شعبۂ قرآن اور تربیتی علوم، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر غلام حسین میر	شعبۂ علوم تقابلی حدیث، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔
ڈاکٹر شہلا بختیاری	شعبۂ تاریخ اسلام، جامعۃ الزہراؑ، تہران، ایران۔
ڈاکٹر فیضان جعفر علی	اردو و فارسی تنظیم، پورہ معروف، ایم۔اے۔یو۔ یو۔ پی انڈیا۔

مقالات ارسال فرمائیں

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ "نور معرفت" دینی و سماجی علوم و موضوعات پر مقالات شائع کرتا ہے۔ یہ مجلّہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر معاشرتی رواداری اور ادیان ومذاہب کے درمیان تعمیری مکالمے کی فضا کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عدل وانصاف پر مبنی عالمی اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے فکری بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اس مجلے کا ایک اہم ہدف، یونیورسٹیز اور دینی تعلیمی مراکز ومدارس کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان تحقیقی ذوق بیدار کرنا اور ان کے تحقیقی آثار شائع کرنا ہے۔ ایسے مقالات کی اشاعت کو ترجیح دی جاتی ہے جو تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سالمیّت، ملّی یکجہتی اور مذہبی، سماجی رواداری اور محبت کو فروغ دیں اور عصر حاضر کے انسانوں کی عملی مشکلات کا راہ حل پیش کرتے ہوں۔

تفسیر و علوم قرآن، حدیث ورجال، فقہ واصول، فلسفہ وکلام، سیرت وتاریخ، تقابل ادیان، تعلیم وتربیت، ادبیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، تہذیب وتمدن، اسلامی قوانین اور بطور کلی، کسی بھی موضوع پر اسلامی نکتۂ نگاہ سے لکھے گئے مقالات کی مجلّہ ہذا میں اشاعت بلامانع ہے۔ یہ مجلّہ علماء اور دانشور طبقہ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ مجلّہ کے Scope کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے قیمتی مقالات اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔ مقالات کی تدوین میں درج ذیل ویب لنک پر دی گئی ہدایات کی مکمل پابندی کی جائے:

https://nmt.org.pk/author-guidelines/

تمام مقالہ نگاروں سے گذارش ہے کہ اپنے مقالات درج ذیل ویب لنک پر Submit کروائیں:

https://nooremarfat.com/index.php/Noor-e-marfat/about/submissions

ضروری نوٹ:

مجلّہ نور معرفت میں شائع ہونے والے مقالات کے مندرجات کی ذمہ داری خود مقالہ نگاروں پر ہے۔
مجلّہ کا مقالات کے تمام مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مقالہ نگار	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	6
۲	"حیات طیبہ" تقویٰ، طہارت اور توبہ کے سائے میں	ڈاکٹر محمد فرقان گوہر	9
۳	کلام امام علیؑ میں اعتدال کے نمونے	سعدیہ عمرانی	34
۴	قرآن میں معاشی تربیت کے لیے الٰہی سنّتیں	ڈاکٹر غلام عباس	47
۵	تیسری صدی ہجری تک کے شیعہ سیرت و تاریخ نویس	رسول جعفریان	62
۶	"اصول فلسفہ و روش ریالیسم" -چند صفحات کا مطالعہ (1)	ڈاکٹر ابو ہادی	79
۷	ذکری فرقہ: تاریخ، عقائد و رسوم	امجد عباس مفتی	94
108	Editor	Editorial	8

اداریہ

سہ ماہی تحقیقی مجلّہ نور معرفت کا 62واں شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس شمارے کا پہلا مقالہ "حیات طیبہ" تقویٰ، طہارت اور توبہ کے سائے میں "کے عنوان سے مزین ہے۔ اس مقالے میں پاکیزہ زندگی گزارنے کے گُر بتائے گئے ہیں۔ دراصل، اخلاقی گراوٹ اور کردار کی آلودگی بنی نوع بشر کی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ ہاں، گاہے، گاہے انسان پاکیزہ انسانی فطرت بیدار ہوتی ہے اور یہ انسان کو شرافت اور کرامت سے آراستہ پاکیزہ زندگی گزارنے کی دعوت دیتی ہے۔ لیکن جب انسان فطرت کی اس آواز پر کان دھرتا ہے تو اس کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ابھرتا ہے کہ زندگی کو پاکیزہ کیسے بنایا جائے؟ پیش نظر تحقیق اسی سوال کا جواب پیش کرتی ہے۔

اس مقالے میں تحقیق کی روش "تفسیر قرآن بالقرآن" ہے اور مقالہ نگار نے اس تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تقویٰ، طہارت اور توبہ وہ بنیادی انسانی صفات ہیں جو انسان کے لیے "حیات طیبہ" ارمغان میں لاتی ہیں۔ محقق کے مطابق، تقویٰ انسان کو بصیرت اور صبر عطا کرتا ہے۔ بصیرت کی روشنی میں انسان زندگی کی درست راہ و روش کی پہچان حاصل کرتا ہے اور صبر کے سائے میں اپنے تمام امور کی اصلاح کے لیے پائیداری دکھاتا ہے۔

جہاں تک طہارت کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف جسمانی اور ظاہری آلودگیوں سے بچاتی ہے، بلکہ یہ اپنی اعلیٰ سطح پر سوچ اور فکر کی آلودگی اور منافقانہ رویوں سے بھی بچاتی ہے۔ طہارت، دراصل، تقویٰ اور توبہ، دونوں کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ غلطیوں پر اصرار کی بجائے، اُن کی اصلاح اور بہتری کی راہ پر گامزن کرتی ہے اور یوں قرآن کے نظام تربیت میں انسان کے اندر تقویٰ اور توبہ کی خصلتیں ایجاد ہوتی ہیں جو اس کی زندگی کو حقیقی معنی میں "حیات طیبہ" بنا دیتی ہیں۔

"کلام امام علیؑ میں اعتدال کے نمونے" کے عنوان سے موجودہ شمارے کے دوسرے مقالے کا تعلق بھی انسان کی زندگی میں خوشحالی اور فلاح و بہبود کا سامان فراہم کرنے سے ہے۔ اس مقالے میں محقق مدعی ہیں کہ انسان کی زندگی محض اسی دنیا تک محدود نہیں ہے اور نہ ہی اُس کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کو محض چند روزہ دنیاوی زندگی کی رنگینیوں میں محدود کیا جا سکتا ہے۔ بنابرایں، نہ دنیاوی زندگی کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اِسے مقصودِ کُل قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کو دنیا میں ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کا راستہ اپنانے کی تاکید کی ہے۔ اسلامی آئیڈیالوجی میں "اعتدال" اور میانہ روی ایک بہترین اخلاقی صفت ہے۔ قرآن و سنّت اور احادیث و روایات میں اس پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اسلام نے عقیدے اور عمل، دونوں میں اعتدال و میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔

دینی پیشواوں میں حضرت امام علی علیہ السلام کے کلام میں ہمیں اعتدال کی صفت اپنانے پر بہت زیادہ تاکید نظر آتی ہے۔ آپ اعتدال پر صرف زبانی، کلامی تاکید نہیں فرماتے، بلکہ آپ کی سیرت و کردار میں بھی اس کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ آپ میں کمال درجے کا زہد بھی پایا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ دنیا کی آبادکاری اور محنت و مشقت میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔

اعتدال کی اسی اہمیت کے پیش نظر مقالہ نگار نے اس مقالے میں امام علی علیہ السلام کے کلام اور آپ کے سنہری کلمات اور خطبات کی روشنی میں "اعتدال" کی اہمیت اور انسانی زندگی کی فلاح و بہبود میں میانہ روی کے کردار پر قلم اٹھایا ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے اعتدال کے نمونے پیش کیے ہیں۔

اس شمارے کا تیسرا مقالہ "قرآن میں معاشی تربیت کے لیے الٰہی سنّتیں" کے عنوان کے تحت، دراصل، اللہ تعالیٰ کے اُن اٹل قوانین کا جائزہ لیتا ہے جو انسان کی معاشی تربیت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں ابتداء میں اللہ تعالی کی اُن سنّتوں کے درمیان جن کا تعلق خود خدا کی صفات سے ہے اور اُن سنّتوں کے درمیان جن کا تعلق انسانوں کے اعمال سے ہے، فرق واضح کیا گیا ہے اور اس کے بعد، قرآن کی رو سے وہ الٰہی سنّتیں بیان کی گئی ہیں جن کا انسان کے اعمال اور اس کی اقتصادی خوشحالی سے گہرا تعلق ہے۔

مقالہ نگار کا موقف یہ ہے کہ قرآن کی روشنی میں دینداری، توکل، تقویٰ، شکر، انفاق، قرض دینے اور شادی کرنے جیسے انسان اعمال وہ اعمال ہیں کہ جو اللہ تعالی کی طرف سے انسان کے رزق میں اضافہ کی سنّت سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ انسان جتنی سعی اور کوشش کرے گا، اسے اتنا رزق ملے گا۔ رزق میں تنگی اور گشادگی میں بندوں کی مصلحت کا کارفرما ہونا بھی ایک الٰہی سنّت ہے۔ ان مصلحتوں سے آگاہی کی صورت میں انسان وہ اعمال انجام دیتا ہے کہ جن سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور ان اعمال سے دوری اختیار کرتا ہے جو رزق میں تنگی کا باعث بنتے ہیں۔

چوتھا مقالہ جو کہ استاد رسول جعفریان کی کتاب "تاریخ سیاسی اسلام۔سیرتِ رسول خدا ﷺ" سے ماخوذ سلسلہ مقالات کا تسلسل ہے، "تیسری صدی ہجری تک کے شیعہ سیرت و تاریخ نویس" کے عنوان کے تحت مسلمانوں کے ہاں تاریخ نگاری میں اہلِ تشیّع کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس مقالے میں شیعہ تاریخ نویسوں کے کم و بیش 50 تاریخی آثار کا تعارف کروایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، انبیاء علیہم السلام اور نبی کریم ﷺ کی سیرت و تاریخ پر اہل تشیع کی تالیف کردہ 20 کتب کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالے میں تاریخ نگاری کی دو عمدہ اقسام یعنی "مونو گراف" اور "رائج/متواتر" تاریخ نگاری کا تعارف کروانے کے ضمن میں مونو گراف کی صورت میں تاریخ نگاری پر ابو مخنف، مدنی اور کلبی جیسے مورخین کے تاریخی آثار کا

تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ تاریخ نگاری کی دوسری قسم، یعنی رائج یا متواتر تاریخ نگاری کو تیسری اور چوتھی صدی میں اپنائی جانے والی روش قرار دیتے ہوئے خلیفہ ابن خیاط، یعقوبی، دینوری، اور طبری جیسے مورخین کو اسی روش کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ پیشِ نظر مقالہ میں لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف، المعروف بہ "ابن مخنف" کے تاریخی آثار کا تفصیلی تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

موجودہ شمارے کا پانچواں مقالہ، ایک اہم فلسفی اثر، یعنی علامہ طباطبائی کی کتاب "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" اور اس کتاب پر استاد مرتضی مطہری کے تشریحی نوٹس کے ابتدائی چند صفحات کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔ اس مقالہ میں جن بنیادی عنوانات پر بحث ہوئی ہے اُن میں علم کی اہمیت اور اُس کے تقدّس کا بیان شامل ہے۔ اس مقالہ میں علم کی صحت اور یقین آوری کی اہمیت بھی اجاگر کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ، مقالہ ہٰذا میں اسلامی فلسفہ میں برہان کی محوریت اور یقین کے حصول کو اسلامی فلسفہ کی دو نمایاں خصوصیات قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی فلسفہ کے موضوع اور اُن چند ایسے سوالات کا تعارف کروایا گیا ہے جن کے جواب کے حصول کی تگ و دَو، درحقیقت، اسلامی فلسفہ کی روح رواں ہے۔

موجودہ دَور میں ادیان و مذاہب اور فرقوں، نحلوں پر تحقیق، ایک زندہ موضوع ہے۔ اس حوالے سے موجودہ شمارے میں "ذکری فرقہ: تاریخ، عقائد و رسوم" کے عنوان سے پاکستان کے صوبہ بلوچستان اور سندھ، نیز ایرانی بلوچستان میں پائے جانے والے "ذکری" فرقے کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق اس فرقے سے وابستہ افراد کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اس فرقے کا شمار اُن فرقوں میں ہوتا ہے جن کی روایت سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تاریخ اور تعلیمات کی بارے میں زیادہ مواد دستیاب نہیں ہے۔ تاہم اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اِس فرقے کی وجہ تسمیہ، اِس کے پیروکاروں کا کثرت سے ذکرِ خدا کرنا ہے۔ "ذکری"، ذکرِ خدا پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں اور ان کی عبادت گاہ کو "ذکر خانہ" کہا جاتا ہے۔

امید ہے کہ مذکورہ بالا 6 مقالات پر مشتمل مجلّہ نور معرفت کا یہ شمارہ بھی ارباب علم و دانش اور تشنگان آگہی و معرفت کے لیے زُلالِ معرفت کا چشمہ ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

مدیر مجلّہ،

ڈاکٹر محمد حسنین نادر

"حیات طیبہ" تقویٰ، طہارت اور توبہ کے سائے میں

"The Pure Life" in the shadow of Piety, Cleanliness and Repentance

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr. Muhammad Furqan Gohar
History of Islamic Civilization; Mustafa International University, Qum, Iran.
E-mail: m.furqan512@yahoo.com

Abstract: This research answers the question about the basic perfections necessary for the ensurance of a "Pure Life" [*Hayat-e Tayyaba*] at the social level. The assumption is that, piety, purity and repentance are 3 attributes Allah almighty has entrusted in the Holy Qur'an, to ensure the "Pure Life". The research methodology adopted here is the interpretation of Quran by Quran; i.e "*Tafseer-ul Qur'an bil Qur'an*".

In regord with "Piety", it has been proved in the light of holy verses that the "Pious" people [*Mu'taqin*] are the group of visionaries who create good life in the society on the basis of mutual cooperation, patience and persistence, reform of economic affairs and stable oral communication. They are the bearers of piety and Clean.

The puritans not only strive to avoid physical and external pollution, but also strictly avoid the purity of faith and hypocritical behavior. The Repentance [*Tawabiyat*] plays a complementary role to the previous two attributes. Rather than insisting on their mistakes, puritanical and conscientious people are always concerned with reforming and improving.

Thus, in the intellectual system of the Qur'an, the three traits of piety, purity and repentance together provide the moral basis for leading the Muslim society towards a good life.

Key words: Muslim Society, Pure, Life, Piety, Cleanliness, Repentance..

خلاصہ

پیش نظر تحقیق اس مسئلے کی وضاحت کرتی ہے کہ اجتماعی سطح پر حیات طیبہ کے تحقق کے لیے کن بنیادی کمالات کا ہونا ضروری ہے۔ فرضیہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اپنی محبت کے اظہار میں جن تین اوصاف کو کردار سازی کی ذمہ داری سونپی ہے وہ تقوا، طہارت اور توابیت ہیں۔ یہ تحقیق "تفسیر قرآن بالقرآن" کے اسلوب کے تحت انجام پائی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ متقین بابصیرت انسانوں کا وہ مجموعہ ہیں جو باہمی تعاون واشتراک عمل، صبر واستقامت، معاشی امور کی اصلاح اور مستحکم زبانی روابط کی بنیاد پر سماج میں حیات طیبہ تشکیل دیتے ہیں۔ یہی لوگ طہارت اور پاکیزگی کے علمبردار ہوتے ہیں۔

پاکیزگی پسند لوگ، نہ صرف جسمانی اور ظاہری آلودگی سے بچنے کی تگ و دو کرتے ہیں بلکہ ایمان کی پاکیزگی اور منافقانہ رویوں سے بھی سخت پرہیز کرتے ہیں۔ توابیت گذشتہ دو صفات کے لئے تکمیلی کردار ادا کرتی ہے۔ پاکیزگی پسند اور باتقوا افراد اپنی غلطیوں پر اصرار کرنے کے بجائے، ہمیشہ اصلاح اور بہتری کے لئے فکر مند رہتے ہیں۔ یوں قرآن کے فکری نظام میں تقوا، طہارت اور توابیت تینوں خصلتیں مل کر مسلم سماج کو حیات طیبہ پر گامزن کرنے کی اخلاقی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

کلیدی الفاظ: مسلم سماج، حیات، طیبہ، تقوا، پاکیزگی، توابیت۔

مقدمہ

یہ تحقیق قرآنی آیات کی روشنی میں مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء کی جڑیں تلاش کرنے کے سلسلے کی کڑی ہے۔ گذشتہ دو مقالہ جات میں ہم مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالی کی پسند اور ناپسند کی تاثیر اور پھر تہذیبی سطح پر محسنین اور مقسطین کے کردار پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ تحقیق کے اس حصے میں ہم ان آیات کا جائزہ لیتے ہیں جہاں اللہ تعالی نے متقین، متطہرین اور توابین سے اپنی خاص محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

اللہ تعالی نے انسان کو قرآن کریم کے ذریعہ حیات طیبہ تک پہنچنے کا راستہ دکھلایا ہے۔ حیات طیبہ جہاں انفرادی سطح پر کی جانے والی کاوشوں سے تحقق پاتی ہے، وہیں اجتماعی سطح پر پنپنے والے رویوں کی مرہون منت ہے۔ قرآن کریم میں ایسے متعدد مفاہیم ہیں جن میں انفرادیت کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کو بھی مد نظر رکھ کر بات کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک اہم ترین مفہوم "تقوا" ہے۔ چنانچہ ہم آیات کی روشنی میں واضح کریں گے کہ تقوا کے اندر اجتماعی سطح پر جو اثرات سامنے آتے ہیں، وہ انفرادی تقوا سے الگ نوعیت کے ہیں۔ یوں اگر کسی معاشرے میں اجتماعی رویئے تقوا پر گامزن نہ ہو سکیں اور زندگی کے اجتماعی معاملات تقوا کی بنیاد پر استوار نہ ہوں تو

معاشرہ تقوائے اجتماعی کے اثرات و برکات سے محروم رہے گا، اگرچہ انفرادی اثرات ایک فرد تک پہنچ رہے ہوں۔ اسی طرح تطہیر نفس جس میں پاکیزگی افکار، پاکیزگی کردار اور پاکیزگی اخلاق کی جہد مسلسل شامل ہے، یہ انسانی زندگی کو حیات طیبہ کی جانب گامزن کرنے میں ایک اہم بنیادی اصول ہے۔ ان تمام میں "وجہ جامع" اللہ تعالی کی پسند و ناپسند ہے۔ قرآن کریم نے "متقین"، "متطہرین" اور "توابین" سے پسندیدگی اور محبت کا اظہار فرمایا ہے۔اس اظہار پسندیدگی کے تربیتی پہلوؤں پر ہم گذشتہ ایک تحریر میں روشنی ڈال چکے ہیں۔[1] ان تینوں صفات کی مشترکہ سنخ (قبیل) کے پیش نظر ایک مشترکہ نتیجہ کی کھوج ہمیں اس نقطے پر پہنچاتی ہے کہ "حیات طیبہ" ہی وہ جامع عنوان ہے جو ہم ان تینوں صفات کے حامل افراد یا معاشرے پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ اس مدعا کی وضاحت پیش نظر مقالے کا موضوع ہے۔

"متقین" اللہ کی خصوصی سرپرستی میں

"تقوا" خطرات سے محفوظ رہنے کا معنی دیتا ہے، بقول راغب اصفہانی کے: "التَّقْوَى جعل النّفس في وِقَايَةٍ مما يخاف"[2] یعنی انسان اپنے آپ کو ایسی چیز سے بچائے جس سے خوف کھاتا ہے۔ یوں "اللہ کا تقوا" خدا خوفی، اللہ کے احکام کا خیال رکھنے، اللہ کی پروا کرنے، اس کی رضامندی حاصل کرنے اور اس کی ناراضگی سے دور رہنے کا نام ہے۔

اللہ تعالی نے تین بار قرآن کریم میں "مقسطین" یعنی انصاف کرنے والوں سے اظہار محبت فرمایا ہے۔ اور اتنی ہی بار "متقین" کے ساتھ اظہار محبت فرمایا ہے۔ (76:3)، (4،7:9) دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تینوں آیات میں "تقوا" کو عہد کی پاسداری کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک آیت میں اللہ تعالی نے متقین کے سر پر خصوصی ہاتھ رکھنے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ فرمایا: "وَ اللهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ" (19:45) اللہ متقین کا سرپرست ہے۔ اللہ کی سرپرستی کا ایک اثر قرآن نے یہ بتلایا ہے کہ انسان اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف آ جاتا ہے (آیت الکرسی)۔

یہ اندھیرے جن سے نکالے جانے کا وعدہ دیا گیا، کونسے ہیں؟ اللہ کی سرپرستی میں روشنی کا سفر کس طرح سے قابل فہم ہے؟

قرآنی آیات میں کچھ چیزیں ہیں جنہیں تقوا سے جوڑ دیا گیا ہے۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کی متقی لوگوں پر سرپرستی کن دائرہ کار کیا ہے۔

1۔ علم و دانش

فرمایا کہ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (282:02) "اللہ کا خوف کھاؤ اور اللہ تمہیں تعلیم دے گا۔

علم روشنی ہے۔ جہل و نادانی ظلمت ہے۔ کچھ علوم جو اللہ تعالی انسان کو عطا کرتا ہے وہ تقوا اور خدا خوفی سے جڑے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی سرپرستی کا ایک نمونہ ہے۔

2۔ بصیرت، آگہی

فرمایا: "إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَاناً" (29:08)

اگر تم تقوائے پروردگار اختیار کروگے تو اللہ تعالی تمہیں (فرقان) یعنی فرق کرنے کی صلاحیت عطا کرے گا۔

فرقان، قرآن کریم کی ہی ایک صفت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے "عبد" پر "فرقان" اتارا۔ (1:25) قرآن کیونکہ حق و باطل کے درمیان فرق کے اصول و فروع کو کھول کر بیان کرتا ہے، اس لیے فرقان کہلاتا ہے۔ حیرت انگیز طور پر اللہ تعالی نے فرقان جیسی اہم صفت جو قرآن کے خواص میں سے ہے، متقی انسان کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔

امام علی(ع) نے بھی فرمایا "فَالْمُتَّقُونَ ... مَنْطِقُهُمُ الصَّوَابُ" [3] یعنی متقی لوگ درست سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔

البتہ آپ یقیناً اس بات سے واقف ہیں کہ یہ اوصاف "ذو مراتب" ہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ سب کے پاس علم و آگہی و بصیرت و ہدایت برابر مقدار میں ہو۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ خود "تقوا" بھی مختلف درجات رکھتا ہے۔

3۔ ہدایت

ہدایت پانے کا مطلب حق کا راستہ تلاش کرلینا اور اللہ تعالی کے پیغام کو دل سے قبول کرلینا ہے۔

فرمایا: یہ قرآن "متقین" کے لئے ہدایت ہے "هُدًى لِلْمُتَّقِينَ"۔(2:2) اگرچہ دیگر آیات کے مطابق تمام انسانوں کی ہدایت کا سامان قرآن میں موجود ہے۔ لیکن عملی طور پر جو لوگ اس سے ہدایت دریافت کر پاتے ہیں وہ "متقین" ہی ہیں۔

قرآن انسان کو "صراط مستقیم" یعنی سیدھے راستے پر چلنے کے قواعد و اصول بتلاتا ہے۔ "متقین" ان قواعد و اصولوں کا فہم کرتے ہیں اور پھر انہیں اپنی زندگی میں لاگو کرتے ہیں، یوں وہ ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں۔

4۔ زندگی میں آسانیاں

فرمایا جو شخص تقوائے الٰہی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے معاملات میں آسانیاں پیدا کردیتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰہَ يَجْعَلْ لَہُ مِنْ أَمْرِہِ يُسْراً (4:65)

اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کے معاملات باقاعدہ طور پر اللہ کی سرپرستی میں آ جائیں تو بہترین راہ تقوا اختیار کرنا ہے۔

5۔ مشکلات سے باہر نکلنا

فرمایا: "وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰہَ يَجْعَلْ لَہُ مَخْرَجاً" (2:65)

جو شخص تقوائے الاہی اختیار کرے، اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ قرار دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تقوا اختیار کرنے والا شخص بند گلی میں داخل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی راستہ موجود ہوتا ہے۔ کوئی اچھا دوست، کوئی رشتہ دار، کوئی استاد، کوئی بھی ایسا وسیلہ جو اسے ناامیدی اور مایوسی سے نکال کر مشکلات سے نجات دلاتا ہے۔ ایسا شخص خودکشی، منفی سوچ سے محفوظ رہتا ہے۔ زندگی کے متعلق مثبت ذہنیت تقوا کی دین ہے۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تقوا صرف انفرادی امر ہے؟

قرآنی منطق کے مطابق کیا تقوا کے اثرات صرف انفرادی حد تک محدود ہیں یا اجتماعی سطح پر بھی اس کے اثرات قابل تصور ہیں؟

تقوائے اجتماعی کے اثرات

تقوائے اجتماعی سے مراد سماج کے اجتماعی روابط میں خدا خوفی اور پرہیزگاری کا غالب آ جانا ہے۔ جس کی طرف قرآن نے "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى" کے ذریعے دعوت دی ہے۔ یعنی نیکی اور تقوا کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ یہ آیت باہمی روابط کی بنیاد نیکی اور تقوا کو قرار دے رہی ہے۔ اس سے نتیجہ ملتا ہے کہ تقوا انسان کی ذات تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اجتماعی روابط کی بنیاد کو بھی بدل سکتا ہے۔

تقوا کی انفرادی اور اجتماعی حیثیت کو مد نظر رکھ کر جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو قسم کی آیات سامنے آتی ہیں۔

ایک انفرادی حیثیت کی ہیں، جن کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ ان میں کہا گیا کہ جو شخص تقوا اختیار کرے گا، اس کے لئے آسانیاں پیدا ہوں گی، اس کو زندگی میں مایوسی نہیں ہو گی، ہمیشہ کوئی نہ کوئی راستہ اس کے لئے کھل جائے گا، اللہ تعالی سیدھا راستہ دکھلادے گا وغیرہ۔

تاہم کچھ آیات اجتماعی نوعیت کے تقوا کے الگ سے اجتماعی اثرات کو بیان کر رہی ہیں۔ جن میں سب سے سرفہرست یہ آیت ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَـكِن كَذَّبُواْ فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ (7:96)

ترجمہ: "اور اگر بستی کے لوگ ایمان لاتے اور تقوائے الٰہی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلا دیا تو ہم نے ان کے اعمال کے بدلے انہیں پکڑ لیا۔"

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ تقوا کے اجتماعی اثرات بھی ہیں۔ انفرادی طور پر کسی آیت میں تقوا کے اثرات کا تذکرہ اس انداز میں نہیں ہوا کہ آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھل جائیں۔ جبکہ اجتماعی سطح پر اس طرح کا تقوا انسان کے لئے سماجی برکتوں کا سبب بنتا ہے۔
یوں پھر پورا معاشرہ فلاح یافتہ ہو سکتا ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ اجتماعی تقوا کی کیفیت کیا ہو گی؟
اس کی نشانیاں اور اثرات کس انداز میں ظاہر ہوں گے؟

1۔ مشارکت اور تعاون

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ (2:5)

ترجمہ: "نیکی اور تقوا پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ اور گناہ و زیادتی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو اور اللہ کی پروا کرو۔"

باہمی تعاون کسی بھی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ تو بہر صورت قائم رہتا ہے۔ تاہم قرآن کریم کے مطابق یہ تعاون دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ پسندیدہ تعاون وہ ہے جو تقوا اور نیکی کی بنیاد پر تشکیل پائے، جبکہ ناپسندیدہ تعاون وہ ہے جو گناہ اور زیادتی کی بنیاد پر تشکیل پائے۔ جس طرح جرائم پیشہ گروہ آپس میں تعاون کرتے ہیں، کرپٹ مافیاز ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، فاسد مقتدر طبقات ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں، یہ سب گناہ اور زیادتی کی بنیاد پر تشکیل پانے والے تعاون ہیں۔ جبکہ دنیا میں صلح کے قیام کی اجتماعی کاوشیں، اسلامی سماج کی وحدت کی کاوشیں، معاشرے میں عدل وانصاف کے قیام کی سماجی تحریکیں منجملہ پسندیدہ تعاون کی قبیل سے ہیں۔

2۔ صبر و استقامت

دشمن کے سامنے صبر اور تقوا کی تلقین قرآن کریم نے فرمائی ہے۔ صبر سے مراد یہاں ظلم سہنا اور برداشت کرنا نہیں ہے، بلکہ ظلم کی چالوں کو سمجھ کر بردباری اور تحمل کے ساتھ اس کے خلاف اقدام کر کے اسے شکست دینا ہے۔ یہاں سماج دشمن عناصر کی بات ہو رہی ہے۔ یعنی جو قومیں اپنے دشمن کو پہچان کر اس کے خلاف مسلسل

پلاننگ کرتی ہیں اور استقامت دکھاتی ہیں وہ باالآخر کامیاب ہو جاتی ہیں۔ فرمایا:

إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُواْ بِهَا وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لاَ يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (120:3)

ترجمہ: "اگر تمہیں کوئی کامیابی ملے تو انہیں برا لگتا ہے اور اگر تمہارے اوپر مصیبت آن پڑے تو یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقوا اختیار کرو گے تو ان کی مکاریاں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی اور اللہ تو ان کے اعمال پر محیط ہے۔"

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُورِ (186:3)

ترجمہ: "تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت اذیت ناک باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر اور تقوا اختیار کیا تو یہ بہت ہی بلند ہمت کا کام ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (200:3)

ترجمہ: "اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی دعوت دو اور آپس میں جڑے رہو اور اللہ کی پروا کرو تاکہ تم کامیاب رہو۔"

بعض آیات میں خاص جنگی حالات کی جھلک نمایاں ہے، تاہم عمومی طور پر ہم جہاں کہیں بھی سماجی کیفیات میں ایک کشمکش دیکھتے ہیں، وہاں کچھ سماج دشمن عناصر معاشرے کے لئے مشکلات کھڑی کرتے ہیں، کمزور طبقات کا جینا حرام کر دیتے ہیں تو ایسے میں چارہ کار کیا ہے؟ قرآن کریم آپس میں جڑے رہنے اور یکجہتی کے ساتھ صبر و استقامت دکھانے پر کامیابی کا وعدہ دیتا ہے۔

3۔ معاشی امور کی اصلاح

فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (130:3)

ترجمہ: "اے ایمان والو "کئی گنا سود" مت کھاؤ، اور اللہ کی پروا کرو تاکہ تم نجات پا سکو۔"

سود خوری معاشی معاملات میں ظلم و زیادتی کا ایک واضح نمونہ ہے۔ چنانچہ قرآن نے اسی کے تناظر میں فرمایا کہ "نہ ظلم کرو اور نہ ہی ظلم برداشت کرو"۔

معاشی معاملات کی اصلاح اور بہبود تقواکے اہم ترین اجتماعی اثرات میں سے ہے۔ یعنی جس سماج میں اجتماعی روابط تقوااور نیکی کی بنیاد پر وجود میں آئیں گے وہاں معیشت بھی استحصال اور ظلم کے بجائے عدل وبرابری اور حقوق کی درست ادائیگی پر قائم ہو گی۔

سورہ رحمان جس کا بنیادی پیغام ہی تقوا ہے، کیونکہ تکذیب تقواکا نکتہ مقابل ہے، چنانچہ آگے چل کر اسے بیان کیا جائے گا،اس سورہ میں ارشاد باری ہے کہ

أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ○ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (8:55،9)

ترجمہ: "تم لوگ ترازو میں طغیان مت کرو، وزن کو عدل کے ساتھ قائم کرواور تول میں کمی مت کرو۔"

معاملات میں "ناپ تول" بنیادی پیمانہ ہے۔ یعنی چیزوں کا اندازہ ان کے وجود کی سنگینی سے لگایا جاتا ہے۔ گذشتہ زمانوں میں "سبک سنگین" کرنے کے لئے ظاہری وزن پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ جبکہ آج "انفارمیشن ٹیکنالوجی" کے زمانے میں سافٹ ویئرز کا الگ سے وزن ہے۔

تو چیزیں ممکن ہے بظاہر چھوٹی ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ان کی ویلیو بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہی ان کا وزن ہے۔

لہٰذا ناپ تول میں "کمی بیشی" سے پرہیز کا مطلب صرف ترازو پر تولنا نہیں ہے، بلکہ اجتماعی معاملات میں انصاف کے اصول کا پاس رکھنا ہے۔

4۔ مستحکم زبانی روابط

تقوا کی ایک اہم اجتماعی نمود، مضبوط، مہذب، منطقی سوچ پر مشتمل گفتگو اور باہمی تفاہم کا وجود میں آنا ہے۔ زبان، روابط جوڑنے کا اہم عنصر ہے۔ ایک دوسرے سے تعارف کا ذریعہ ہے۔ تفہیم و تفاہم کا آسان اور بہترین وسیلہ ہے۔ تاہم ہر زبان سماج کے اندر پائے جانے والے مخصوص اجتماعی طرز فکر کی عکاس بھی ہے۔ جھگڑالو ماحول درحقیقت خاص زبانی فضا میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی ماحول کا اثر دوبارہ زبان میں منعکس ہوتا ہے۔ جبکہ علمی و فکر کے میدان میں یہ ماحول یکسر ناکارآمد ہے،اسی لیے قرآن کریم نے تقوائے علمی کی طرف دعوت دی ہے۔ علمی تقوا سے مراد آپ کی گفتگو جو کہ علم و فکر کا ماحصل ہے، اسے مضبوط دلائل اور شواہد و قرائن پر استوار ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (9:4) ترجمہ: "انہیں چاہیے کہ اللہ کی پرواکریں اور مستحکم بات کریں۔"

مضبوط اور مستحکم دیوار کو "سد" کہتے ہیں۔ بات بھی تبھی "سدید" بنتی ہے جب اس کے اندر عقلانیت اور منطقی سوچ حکم فرما ہو۔ تقوائے الٰہی کیونکہ انسان کی زبان پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کو علم و حکمت مل جاتا ہے تو تقوا پر

مشتمل اجتماعی روابط بھی اسی علم و حکمت کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں، جس کی وجہ سے گفتگو مؤثر رہتی ہے۔ مکالمہ تہذیب و ادب کے دائرے میں آگے بڑھتا ہے۔

4۔ حق و باطل میں فرق

قرآن کریم نے جمع کے صیغہ سے مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر تم لوگ تقوا اختیار کروگے تو تمہیں "فرقان" عطا ہو گا، یعنی اللہ تعالی تمہیں ایسی بصیرت عطا کرے گا، جس سے تم حق و باطل میں تفریق کر سکو گے۔
"فرقان" جس کا اللہ تعالی نے متقی لوگوں سے وعدہ کیا ہے، انفرادی و اجتماعی دونوں سطح پر اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ سماج کے اندر رہنے والے ہر فرد کے لئے حقیقت اور فریبکاری کے درمیان تشخیص کا ایک اہم راستہ اللہ کی عطا کردہ ہدایات سے استفادہ ہے جو بغیر تقوائے الٰہی کے ممکن نہیں ہے، کیونکہ قرآن متقین کے لئے ہدایت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ جب کوئی سماج من حیث المجموع "اللہ کی کتاب" کو اپنی فکری پناہ گاہ بنالیتا ہے۔ تو اس سماج کے اندر حقیقت پسندی بھی آہی جاتی ہے۔ وہ مفادات کا غلام نہیں رہتا۔ شہوات اور تعصّبات اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے۔ یوں وہ باطل کا راستہ روکنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

امام علی (ع) اور ابن ملجم مرادی، تقوا اور بے تقوائی کا تقابل

تقوا کیا ہے اور بے تقوائی کسے کہتے ہیں؟ ایک تاریخی مثال کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی ان لوگوں میں سے تھا جنہیں بعد میں خوارج کہا گیا۔ یہ اپنے آپ کو "فدائی" کہا کرتا تھا۔ اس کے بقول وہ اپنے آپ کو خدا کی راہ میں قربان کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے "شاری" کا لقب اپنے لیے چنا۔ یعنی اپنی جان خطرے میں ڈال کر مرضی خدا وند کو خریدا۔ اور یوں پھر مکہ سے حضرت علی (ع) کے قتل کا منصوبہ بنا کر چلا، کوفہ آ کر "قطام" سے شادی رچائی اور پھر چند ہی دن میں حضرت علی (ع) کو شہید کر ڈالا اور خود بھی قصاص کے طور پر مار دیا گیا۔
اب سوال یہ ہے کہ کیا تقوا اسی طرح کی چیز کا نام ہے؟ کیا ہر کام جو خلوص نیت سے انجام دیا جائے، چاہے وہ کتنا ہی گھناونا کیوں نہ ہو وہ تقوا بنے گا؟
کیا اعمال کا مطلق دارومدار نیتوں پر ہے؟ یعنی برے سے برا عمل بھی نیت کے ذریعے ٹھیک ہو سکتا ہے؟
ہم جب قرآن کریم میں تقوا کے اثرات و برکات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ حکمت، ہدایت اور بصیرت تقوا کے لازمی اثرات میں سے ہیں۔
فرمایا: إِن تَتَّقُواْ اللّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَاناً (29:8)

ترجمہ: "اگر تم تقوائے پروردگار اختیار کروگے تو اللہ تعالی تمہیں (فرقان) یعنی فرق کرنے کی صلاحیت عطا کرے گا۔"

امام علی(ع) نے بھی فرمایا "فَالْمُتَّقُونَ ... مَنْطِقُهُمُ الصَّوَابُ"[4] یعنی: "متقی لوگ درست سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔"

فرمایا: یہ قرآن "متقین" کے لئے ہدایت ہے "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" (2:2)۔ یعنی عملی طور پر جو لوگ اس سے ہدایت دریافت کر پاتے ہیں وہ "متقین" ہی ہیں۔

قرآن انسان کو "صراط مستقیم" یعنی سیدھے راستے پر چلنے کے قواعد و اصول بتلاتا ہے۔ "متقین" ان قواعد و اصولوں کا فہم کرتے ہیں اور پھر انہیں اپنی زندگی میں لاگو کرتے ہیں، یوں وہ ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت ضرور کرتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا: جس چیز کی بنیاد تقوا اور رب کی مرضی پر رکھی جائے، کیا وہ بہتر ہے یا جس کی بنیاد جہنم کے دہانے پر رکھی جائے اور وہ اسے کھینچ کر لے جائے؟ یہ تقوا اور بے تقوائی کا تقابل ہے۔ یعنی تقوا انسان کو جہنم کی طرف نہیں لے جاسکتا۔

یہ سب آیات بتلاتی ہیں، کہ جو لوگ اسلامی سماج میں گھناؤنے جرموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ خوارج کی طرح بے گناہ انسانوں کا قتل کرتے ہیں، فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ تفرقہ ڈالتے ہیں۔ تعصّبات پھیلاتے ہیں۔ جنگیں کرواتے ہیں۔ یہ کام چاہے وہ جتنے ہی تقدس کے ساتھ انجام دیں۔ ان کی نیتیں چاہے بظاہر جتنی ہی خالصانہ کیوں نہ ہوں، انہیں قرآنی نگاہ سے "تقوا" کا مصداق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر متقی ہوتے تو اللہ کے ہاں انہیں قبولیت کا شرف بھی ملتا۔ انہیں ہدایت، بصیرت اور تفریق حق و باطل کی صلاحیت بھی ملتی۔ پس اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعمال کی درستگی سے قبل خود عمل انجام دینے والے کی درستگی ضروری ہے۔ یعنی عمل کرنے والے کا متقی ہونا ضروری ہے تاکہ وہ واقعی "نیک اعمال" کی توفیق پا سکے۔

متقین کے مدمقابل اوصاف

"متقین" کے مدمقابل کون سی صفات کے حامل لوگ ہیں؟

اشیاء کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے۔ ہمیں متقی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے، اس کے مدمقابل اوصاف کا بغور جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم نے متقین کے مقابل میں چند ایک صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک اہم صفت "مکذبین" ہیں۔ یعنی

جھٹلانے والے لوگ۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک اللہ کے رسول عام سے لوگ ہیں جو بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔

قرآن میں بطور خاص دو سورتوں میں "مکذبین" اور "متقین" کا تقابل سامنے آیا ہے۔ ایک سورہ طور میں جہاں مکذبین کو عذاب اور ہلاکت کے وعید سنائے، وہیں متقین کو جنت کی نوید دی۔ یہی منظر کشی مرسلات میں بڑی واضح طور پر سامنے آئی، جہاں فرمایا:

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَOإِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍO (77:40،41)

ترجمہ: "ہلاکت ہے قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لئے۔ بیشک متقی لوگ ٹھنڈی چھاؤں اور پانی کے چشموں سے سیراب ہوں گے۔"

متقین کا دوسرا نکتہ مقابل فجار ہے۔ فرمایا: أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (38:28)۔ ترجمہ: "کیا یہ (توقع رکھتے ہیں) کہ ہم متقین کو فاجروں کی طرح قرار دیں گے؟"

فجور بقول راغب اصفہانی کے وسیع شگاف اور بڑی پھوٹ کو کہتے ہیں۔[5] آقا مصطفوی لکھتے ہیں: "و الفجور خروج عن التقوی الی التمایل و الشھوات و الفسق فجور"[6] یعنی انسان تقوا سے باہر جا کر شہوات اور گناہوں کی طرف رجحان دکھائے۔ ان اوصاف کے مالک شخص کو فاجر کہا جاتا ہے۔ فجار اسی لغوی جڑ سے نکلا ہوا جمع کا صیغہ ہے۔ "فجار" وہ لوگ ہیں جن کی زندگی یکسر دنیوی لذتوں میں محصور ہو کر رہ جائے اور آخرت سے غافل ہو جائیں۔

دوسری آیت میں "ظالمین" کو متقین کا نکتہ مقابل قرار دیا ہے۔ إِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَ اللهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ (45:19) ترجمہ: "ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں، جبکہ متقی لوگوں کو اللہ کی سرپرستی حاصل ہے"۔ اسی کے تناظر میں ہم جب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی جہاں متقین کے ساتھ اظہار محبت کرتا ہے، وہیں "ظالمین" کے ساتھ بغض اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ صورتحال مزید دلچسپ تب ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں میں مساوات موجود ہے۔ یعنی تین بار "متقین" کے ساتھ محبت کا اظہار فرمایا (3:76)، (9:4،7) اور تین بار ہی "ظالمین کے ساتھ محبت نہ ہونے کا اظہار فرمایا۔ (3:57،140)، (42:40)

قرآن کریم نے تین آیات میں "متقین" کو عہد پورا کرنے کا علمبردار قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ بدعہدی اور بے ایمانی بھی تقوا کا نکتہ مقابل ہے۔ انہی آیات کے تناظر میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالی متقین سے محبت کا اظہار فرماتا ہے اور خائنین یعنی خیانت کرنے والوں سے نفرت اور دشمنی کا اظہار فرماتا ہے۔ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ (8:58)۔ تو یہ تقوا کا ایک اہم لازمہ اجتماعی امور میں امانتداری اور عہد کا پاس رکھنا ہے۔

مزید یہ کہ سورہ قمر میں "مجرمین" اور "متقین" کے انجام کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔(آیت 47اور54)
جرم اور گناہ میں فرق ہوتا ہے۔ متقی گناہگار ہو سکتا ہے، لیکن مجرم نہیں۔ کیونکہ جرم یکسر کٹ جانے کو کہتے ہیں، پھل جب درخت سے جدا ہوتا ہے تو اس پر جرم کا اطلاق ہوتا ہے۔[7]، معروف ایرانی لغت دان آقا مصطفوی نے کہا ہے کہ جب یہ کٹ جانا خلاف مصلحت اور خلاف حق و حقیقت ہو تبھی اسے جرم کہتے ہیں۔[8] اگرچہ گناہ پر بھی جرم کا اطلاق ہوا ہے۔ لیکن "مجرم" قرآن کی نظر میں جہنمی ہے۔ جبکہ گناہگار کے لئے بخشش کا کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گناہ جرم نہیں ہے، ہاں اگر انسان بالکل ہی خدا وند عالم سے کٹ کر رہ جائے اور گناہ میں غرق ہو جائے تو وہ مجرم ہے۔
یوں نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ "مجرم" اللہ سے کٹ جانے والا، "فاجر" شہوات اور دنیوی لذات میں غرق، "مکذب" انبیاء کو جھٹلانے والا اور "خائن" عہد کا پاس نہ رکھنے والا سب جزئی طور پر "متقی" کے نکتہ مقابل ہیں، جبکہ "ظالم" ایک صفت عام ہے، جو تقوا کا اصلی تقابل رکھتی ہے۔ یعنی جس طرح مقام محبت میں تقوا اللہ تعالی کو پسند ہے، اسی طرح مقام بغض اور ناپسندیدگی میں ظلم ناپسندیدہ صفت ہے۔ ظلم کے اندر فجور، خیانت، تکذیب اور جرم سب داخل ہیں۔ پس ظلم ان تمام رذائل کی جامع صفت کے طور پر قرآن کریم میں مد نظر قرار پایا ہے۔

پاکیزگی پسند لوگ، اللہ تعالی کے محبوب

تقوا سے جڑی ایک صفت جس سے اللہ تعالی نے قرآن کریم میں دو بار اظہار محبت فرمایا ہے، طہارت اور پاکیزگی ہے۔ (222:2)، (108:9)
تزکیہ نفس اہداف انبیاء میں شامل ہے۔ جسے قرآن کریم نے متعدد بار بیان کیا ہے۔(کافرین کا ایک اہم عذاب اس دنیامیں یہ ہے کہ اللہ تعالی ان کا تزکیہ نہیں کرتا)۔
سوال یہ ہے کہ پاکیزگی کس چیز سے؟
کیا کوئی نجاست انسان کو چمٹی ہے جس میں پاکیزگی کا ہونا ضروری ہے؟
مسیحیت میں غسل تعمید کا تصور انسان کے اولین گناہ سے جڑا ہے۔ بقول ان کے حضرت آدمؑ نے ایک گناہ کیا، اور اس کے بعد پوری نسل آدم آلودہ ہے، لہٰذا غسل تعمید جو آبائے کلیسا کے ہاتھوں دیا جاتا ہے وہ اس آلودگی سے پاکیزہ ہونے کی نشانی ہے۔ جبکہ اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔[9] تو پھر سوال یہ ہے کہ اسلام نے پاکیزگی کا تصور کس انداز میں دیا ہے؟اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔
سب سے پہلا نکتہ اس حوالے سے یہ ہے کہ قرآن مجید نے طہارت اور پاکیزگی کے مفہوم کو تقوا کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لا تَقُمْ فيهِ أَبَداً لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فيهِ فيهِ رِجالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَ اللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرينَ o (108:9)

ترجمہ: "مسجد ضرار میں بالکل بھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہو، جس مسجد کی بنیاد تقوا پر رکھی گئ ہے، وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں قیام کریں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالی پاکیزگی پسند لوگوں سے محبت کرتا ہے"۔

سیاق و سباق سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آلودگی جس کی قرآن نے بات کی ہے، نفاق اور منافقت کی آلودگی ہے، یعنی ظاہر و باطن میں فرق جس کا ایک اہم مصداق مسجد ضرار کی شکل میں سامنے آیا۔ جبکہ مسجد نبوی یا مسجد قباء (بحسب اختلاف آراء[10]) میں موجود لوگوں میں پاکباز لوگ موجود ہیں۔

تفاسیر میں اسے استنجاء اور پانی سے نجاست دور کرنا مراد لیا گیاہے، جو کہ انصار کا وتیرہ تھا۔[11]لیکن یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے کہ اس مسئلے کو اس مسجد ضرار کے ساتھ تقابل کے طور پر پیش کیا جائے۔ گویا یہ توجیہی بیان ہے اس بات کا کہ کیوں مسجد ضرار کے مقابلے میں اس مسجد کی اہلیت ہے۔ تو فرمایا کہ اس میں پاکیزگی پسند لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں۔ لہٰذا مناسبت حکم و موضوع کے تحت یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام کو دستور ملے کہ مسجد کو گرادو، بلکہ انہیں آداب طہارت سکھا دینا کافی ہو رہتا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کا تو کام ہی سکھلانا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ جس پاکیزگی کا تذکرہ ہے، وہ اندرونی پاکیزگی ہے۔

اب یہ اختلاف ہے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقوا پر ہے کون سی ہے؟ مسجد قباء ہے یا مسجد نبوی؟ ابن عباس اور چند دیگر صحابہ نے مسجد قباء مراد لی ہے، جبکہ ابن عمر، ابوسعید خدری وغیرہ سے منسوب اقوال میں مسجد نبوی مراد لی گئی ہے۔[12] امام صادق ع کی حدیث کے مطابق بھی مسجد قباء ہی مراد ہے۔[13] زمخشری وعلامہ طباطبائی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔[14] جبکہ بعض نے دونوں ہی مراد لی ہیں۔[15]

تاریخی طور پر کچھ روایات میں ہے کہ آپؐ نے انصار سے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہیں پاکیزگی پسندانہ اوصاف کا مالک بتلایا ہے، تو بتاؤ کہ تم کیسے پاکیزہ ہوتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ باقی تو ہمیں معلوم نہیں، بس یہودی ہمارے پڑوس میں رہتے تھے، ہم نے ان سے پانی کا استعمال سیکھ لیا ہے، وہ اپنا پاخانہ پانی سے دھوتے تھے تو ہم بھی یہی کرتے ہیں۔[16]، امام صادق ع سے منسوب بھی اسی سے ملتی جلتی ایک روایت موجود ہے، اگرچہ اس میں یہود کا تذکرہ نہیں ہے۔[17]

یہ روایات اس لحاظ سے معقول نہیں معلوم ہوتیں کہ انصار کے ساتھ، آپ (ص) تقریبا نو سال گزار چکے تھے۔

مسجد ضرار کا واقعہ آخری سالوں کا ہے۔ یعنی جنگ تبوک (9 ہجری) کے بعد پیش آیا ہے۔[18] اس کا مطلب ہے کہ نو سال تک آپ کے علم میں نہیں تھا کہ انصار کیسے استنجاء کرتے ہیں۔ جبکہ یہ تو عمومی طرز کی چیزیں ہیں جو انسان کسی بھی سماج میں رہ کر معلوم کرلیتا ہے۔ پس یہ پوچھنا کہ "فَمَا هَذَا الطُّهُور؟" یہ طہور کیا ہے جو تم کرتے ہو، چہ معنا دارد؟

دوسرے یہ کہ مسجد ضرار بھی تو مدینہ کے رہنے والے لوگوں نے بنائی تھی۔ اور استنجاء وغیرہ جیسے آداب و رسوم عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی قبیلے کے آدھے لوگ الگ طرح سے استنجاء کریں اور دوسرے آدھے لوگ دوسری طرح سے استنجاء کریں۔

تیسری بات یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق خود پیامبر اسلام کا یہ وتیرہ تھا کہ وہ پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن عمر نے کہا کہ جب سے ہم نے یہ طریقہ سیکھا، پاکیزگی بھی آ گئی اور بیماری بھی دور ہو گئی۔[19]

بہرحال، بطور کلی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ طہارت کے متعدد مراتب ہیں۔ ظاہری طہارت بھی ایک مرتبہ ہے۔ اندرونی طہارت اور پاکیزگی الگ مرتبہ ہے۔ دونوں ہی مقصود و مطلوب ہیں۔ تاہم اس آیت میں جس طہارت پر توجہ مرکوز ہے، وہ ایمان اور نیت کی پاکیزگی ہے۔ منافقت سب سے زیادہ نیت کو آلودہ کرتی ہے، پھر اس کے نتیجہ میں عمل آلودہ ہو جاتا ہے۔

"حیات طیبہ" اور بلندی کردار کا رابطہ

چنانچہ اشارہ ہو چکا ہے کہ پاکیزگی پسند لوگوں سے محبت کا اظہار اللہ تعالی نے دو آیات میں کیا ہے۔ ایک آیت میں معنوی پاکیزگی جس میں ایمان، سچی نیت، خلوص دل، پاکیزہ دلی کو اولین ترجیح حاصل تھی۔ جبکہ دوسری آیت کا سیاق و سباق عمل کی پاکیزگی پر تاکید کرتا ہے۔

اندرونی پاکیزگی دو طرح کی ہے۔ ایک انسان کی فکر، سوچ، خیال اور قلب سے وابستہ ہے۔ یہ قلبی کیفیات پر اثر انداز ہوتی ہے۔

پاکیزگی کی دوسری قسم انسان کے عمل، کردار، اور افعال سے وابستہ ہے۔

قرآن حکیم نے معجزاتی طور پر پاکیزگی کی دونوں قسموں کو دو آیات میں سمو دیا ہے۔ اگرچہ کچھ دیگر آیات میں بھی اشارات موجود ہیں۔ تاہم محبت کا اظہار الگ الگ سطح پر دونوں کے لیے کر دیا ہے۔

قلبی پاکیزگی کا تذکرہ سورہ توبہ میں کیا، جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ اس حوالے سے ایک اور آیت سورہ المائدہ میں قابل غور ہے۔ فرمایا: الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ . . . أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ

ایسے لوگ جو زبان سے اظہار ایمان کرتے ہیں، جبکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ ایسے لوگوں کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ اللہ تعالی نے نہیں کیا۔

یہ وہی قلبی نجاست ہے جو انسان کے اندر سچی نیت، خلوص دل اور ایمان کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

جبکہ اعمال کی پاکیزگی کا تذکرہ سورہ بقرہ میں اس انداز سے فرمایا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ٥ (2:222)

ترجمہ: "لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ یہ ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ پس عورتوں کو حیض میں اکیلا چھوڑ دو، ان کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں جب وہ پاکیزہ ہو جائیں تو ویسی طرز پر ان کے قریب جاؤ جیسے اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالی بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے"۔

کیونکہ یہ پاکیزگی عمل سے مربوط ہے، اس لیے جس چیز کے ساتھ پاکیزگی کو جوڑ دیا گیا ہے وہ "توبہ" ہے۔ توبہ یعنی گناہوں سے، خطاؤں سے توبہ پچھتاوا، ندامت کے بعد اللہ کی بارگاہ میں واپس لوٹنا۔

ایک اور آیت جس میں عمل کی پاکیزگی کا تذکرہ ہے، حضرت لوطؑ سے مربوط ہے۔ حضرت لوطؑ نے اپنی بدکردار قوم کے لواط (یعنی مردوں کی مردوں سے بدفعلی) جیسے برے فعل پر نکتہ چینی اور تنقید کی تو کہنے لگے کہ لوط اور آپ کے ہمنواؤں کو بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ پاکیزگی پسند ہیں۔ (إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ) (7:82)

عمل میں پاکیزگی لانے کے لئے اجتماعی سطح پر آداب اور اخلاقیات سیکھنے اور ان کا پاس رکھنے ضرورت ہے۔ اس کا ایک جلوہ عائلی زندگی ہے۔

عائلی زندگی میں جب تک پاکیزگی کا خیال نہ رکھا جائے، زندگی میں مثبت تبدیلی نہیں آ سکتی۔ پاکیزہ کردار رہنا خاندانی تربیت کا ایک اہم جزء ہے۔

اسی لیے تو فرمایا کہ "خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لئے، اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے جبکہ پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں"۔(24:26)

حیات طیبہ کا بنیادی اصول ہے کہ یہ "طیبین اور طیبات" کے باہمی ملاپ سے تشکیل پاتی ہے۔ اس کے لیے درست کرداری بنیادی شرط ہے۔

جسم کو ظاہری نجاسات سے بچانا بھی اعمال کی پاکیزگی کا ایک رکن ہے۔ غسل پاکیزگی کی علامت ہے۔

اسلامی فقہ کے مطابق، انسان کے اندر کچھ چیزیں "حدث" جبکہ کچھ چیزیں "خبث" ہیں۔ حدث اندرونی نجاست، جبکہ

"خبث" بیرونی نجاست کو کہا جاتا ہے۔اندرونی نجاست انسان کی ذات سے نہیں بلکہ کچھ افعال(مثلاً نیند، پیشاپ یا پاخانہ نکلنے) سے پھوٹتی ہے۔پیشاب، پاخانہ اور خون جب جسم سے باہر نکلتا ہے تو یہ ظاہری نجاست کا موجب بھی بنتا ہے۔حدث کبھی چھوٹا ہوتا ہے تو کبھی بڑا۔ چھوٹا حدث وضو کے ذریعے پاک ہو جاتا ہے، جبکہ بڑا حدث صرف غسل سے پاک ہوتا ہے۔فرمایا: "وَإِنْ كُنتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا" اگر جنب ہو جاؤ تو پاکیزگی اختیار کرو۔
پس اسلام میں غسل اور وضو کا تصور کسی گناہ سے نہیں جڑا۔ یہ کسی خاص گناہ سے پاک ہونے کی علامت نہیں ہے، بلکہ انسان کی طبیعی "قذارتوں" سے جس سے خود انسان بھی اظہار بیزاری کرتا ہے، پاکیزگی دلانے کا ایک معقول طریقہ ہے۔
اللہ تعالی نے حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے ہاتھوں بیت اللہ کی تعمیر کے بعد جو سب سے پہلا دستور دیا وہ یہی تھا کہ میرے گھر کو عبادت گزاروں کے لئے پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھو۔ یہ ظاہری پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے۔
یہاں سے بھی ہم پاکیزگی کے قرآنی مفہوم کی وسعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔یہ پاکیزگی انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی بھی ہے، صرف ظاہری اور جسمانی نہیں بلکہ کردار کی پاکیزگی بھی ہے۔

"توبہ" اور اہل ایمان کا عملی ارتقاء

قرآن کے فکری منظومے میں جس طرح احسان کے ساتھ عدل کا مفہوم جڑا ہے۔اسی طرح "تطہیر" کے ساتھ توبہ کا مفہوم جڑا ہے۔ گذشتہ سطور میں طہارت اور پاکیزگی کا مفہوم واضح ہو چکا ہے۔ تاہم ایک نقطے کی وضاحت ضروری ہے کہ جن دو آیات میں اللہ تعالی نے "پاکیزگی پسند" لوگوں کے ساتھ محبت کا اظہار فرمایا ہے، ان میں سے ایک کا تعلق باطنی پاکیزگی سے تھا۔ یعنی فکر، سوچ اور دل کی پاکیزگی، جس سے خالص ایمان پھوٹتا ہے۔ دوسری آیت کا تعلق عمل کی پاکیزگی سے تھا جو خالص ایمان کا طبیعی نتیجہ ہے۔اب سوال یہ ہے کہ "توابیت" کو اللہ تعالی نے کون سے مقام پر رکھا ہے؟ یہ سمجھنا انتہائی اہم ہے۔اسی نکتے کا فہم "کلید حل مشکل" ہے۔
مطلوبہ آیت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔فرمایا:

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (222:2)

ترجمہ: "جب تمہاری ازواج/بیویاں (حیض سے) پاک ہو جائیں تو ویسی طرز پر ان کے قریب جاؤ جیسے اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالی بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

یہاں پر تائبین کے بجائے "توابین" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ مبالغے کا صیغہ ہے۔یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر عمل

میں باز بینی، اصلاح اور درستگی کی خواہش اور کوشش توابیت کہلاتی ہے۔

اب اس مسئلے پر ذرا غور فرمائیں کہ "توابیت" کا تعلق کس چیز سے ہے؟ ایمان کا مسئلہ ہے یا عمل کا؟

یقینا یہ ایمانیات کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ مسئلہ طرز عمل کا ہے۔ تنظیم زندگی کا مسئلہ ہے۔ ایک سچے مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اللہ تعالی کے احکام کی روشنی میں نظم وضبط دے۔ اس نظم سے جب جی چراتا ہے، کتراتا ہے، اکتاتا ہے، منہ موڑتا ہے، عمل میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کے لئے "توبہ" کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ توبہ جب انسان کے اندر رچ بس جاتی ہے تو "توابیت" کی سطح پر پہنچ جاتی ہے۔ توبہ ممکن ہے ایک فعل ہو، جبکہ "توابیت" ایک "رویہ" ہے۔ "توابیت" مسلسل اصلاح کی کاوش ہے۔ اپنے اعمال کی اصلاح کے لئے جہد مسلسل ہے۔

توبہ درحقیقت بازگشت ہے۔ اسی نکتہ کی طرف جہاں سے ایک مسلمان کا عمل انحراف کا شکار ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی نوے فیصد آیات میں توبہ کو عملی زندگی کی تنظیم کے لئے رکھا گیا ہے۔ قرآنی آیات پر سرسری نگاہ ڈالنے سے نتیجہ ملتا ہے کہ بنیادی ترین امور جن سے توبہ کی ضرورت پیش آتی ہے "ظلم"، "سیئات" (برائیاں)، "ذنب" (گناہ)، "فاحشہ" (حد سے تجاوز)[20] اور خطائیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (2:37)

ترجمہ: "حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات دریافت کیے اور (رب کے حضور توبہ کی) تو اللہ تعالی نے توبہ قبول کرلی، بیشک وہ تواب ورحیم ہے۔"

یہ اس درخت کا پھل کھانے کے بعد کی توبہ کا تذکرہ ہے۔ اس کا تعلق حضرت آدم کے عمل سے ہے۔ جسے قرآن نے ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ (فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ)۔(2:35)

دوسری آیت ملاحظہ ہو:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (2:187)

ترجمہ: "تمہارے لیے روزوں کے ایام میں رات کے وقت اپنی خواتین سے نزدیکی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ خواتین تمہارے لیے لباس ہیں جبکہ تم ان کے لئے لباس ہو۔ بیشک اللہ تعالی جانتا ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کیا کرتے تھے، لیکن اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی اور تمہیں معاف کردیا۔ پس اب تم نزدیکی کرسکتے ہو اور اللہ کے قوانین کا پاس رکھو۔"

اس آیت میں بھی توبہ کا تذکرہ انسان کی عملی زندگی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (2:279)

ترجمہ: "اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سود خوری سے باز نہ آئے) تو اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے اپنے اصل مال واپس لینے کا حق محفوظ ہے۔ نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی تم پر کوئی ظلم کرے۔"

اس آیت میں سود خوری سے توبہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ یہ بھی ایک عملی انحراف ہے جو اجتماعی اور معاشی زندگی کو متأثر کرتا ہے۔ فرمایا:

وَ الَّذانِ يَأْتِيانِها مِنْكُمْ فَآذُوهُما فَإِنْ تابا وَ أَصْلَحا فَأَعْرِضُوا عَنْهُما إِنَّ اللهَ كانَ تَوَّاباً رَحيماً (16:4)

ترجمہ: "تم لوگوں میں سے اگر دو مرد برائی انجام دیں، تو انہیں سزا دو، اگر توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگذر کر دو، بیشک اللہ تعالی توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔"

اس آیت میں بھی ایک عملی انحراف سے توبہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوا:

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَريبٍ فَأُولئِكَ يَتُوبُ اللهُ عَلَيْهِمْ وَ كانَ اللهُ عَليماً حَكيماً (17:4)

ترجمہ: "بیشک اللہ پر بخشش کا معاملہ بنتا ہے ان لوگوں کے لئے جو نادانی میں برائی انجام دیتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کی توبہ اللہ تعالی قبول کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالی علم و حکمت والی ذات ہے۔"

اگلی ہی آیت میں فرمایا:

وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئاتِ حَتَّى إِذا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَ لاَ الَّذينَ يَمُوتُونَ وَ هُمْ كُفَّارٌ أُولئِكَ أَعْتَدْنا لَهُمْ عَذاباً أَليماً (18:4)

ترجمہ: "ان لوگوں کے لئے توبہ نہیں ہے، جو برائیاں کرتے رہتے ہیں، (زندگی برائیوں میں کٹ جاتی ہے) پھر جب موت سر پر آن کھڑی ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یا اللہ اب توبہ کرتا ہوں۔ اسی طرح کفر پر مرنے والوں کی بھی کوئی توبہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

پچھلی آیت میں "سوء" کا تذکرہ ہے، اور جبکہ اس آیت میں "سیئات" کا تذکرہ ہے۔ سیئۃ کا لفظ قرآن کریم میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ منجملہ:

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً ... جس نے برائی کمائی۔ وَ مَنْ جاءَ بِالسَّيِّئَةِ ... جو برائی لے کر (روز محشر) حاضر ہوا۔ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً ... جس نے برا عمل کیا۔ وَ جَزاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُها ... برائی کا بدلہ برائی ہی ہے۔ شَفاعَةً سَيِّئَةً ... بری سفارش۔ وَ إِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ... اگر انہیں کوئی برائی (مصیبت) چمٹتی ہے۔ يَعْمَلُونَ

السَّیِّئاتِ وہ لوگ برے اعمال کرتے ہیں ...،. فَأَصابَهُمْ سَيِّئاتُ ما عَمِلُوا ...انہیں اپنے اعمال کے ناپسندیدہ نتائج کا سامنا کرنا پڑا،. نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئاتِكُمْ ...ہم تمہاری خطاؤں سے درگذر کردیں گے،. اجْتَرَحُوا السَّيِّئاتِ...انہوں نے خطائیں کیں۔
ان میں سے اکثر آیات کا تعلق اعمال سے ہے، جب کچھ آیات میں بلاؤں اور مصیبتوں کو بھی سیئات کہا گیا ہے۔
سوء لغوی اعتبار سے : " الاسْمُ الجامِعُ للآفاتِ و الداءِ"[21]، یعنی ہر آفت اور مرض کو سوء کہا گیا ہے۔ "سیئات" "حسنات" کے مقابلے میں آتا ہے۔ بقول آقا مصطفوی کے، سوء کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو ذاتی طور پر مستحسن نہ ہو، چاہے یہ عمل میں ہو یا موضوع میں یا حکم میں، قلبی امر ہو یا معنوی یا دیگر۔ قباحت میں صرف ظاہری شکل و صورت کا خیال رکھا جاتا ہے، جبکہ سوء ہر ایک کو شامل ہے۔[22] پس تمام وہ اعمال و افعال اور موضوعات سیئات کہلائیں گے، جو انسان کی نفسیاتی اور روحانی تندرستی کے لئے مناسب نہیں ہوتے۔
ان سب آیات سے نتیجہ ملتا ہے کہ توبہ عملی اصلاح کی جانب ایک اہم قدم ہے۔ جب تک کوئی اپنے افعال کو مستحسن شمار کرتا رہتا ہے، ان پر راضی رہتا ہے، وہ توبہ نہیں کرتا۔ لہٰذا توبہ کے لئے سب سے پہلی چیز اپنے نکتہ ضعف کا ادراک ہے۔ اپنی بازبینی، اور اصلاح مسلسل کا یہ رویہ اللہ تعالیٰ کو بیشک پسند ہے۔ (ان اللہ یحب التوابین)۔

کیا توبہ صرف انفرادی مسئلہ ہے؟

بظاہر انسان سوچتا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ایک انفرادی مسئلہ ہے۔ لہٰذا توبہ اور استغفار کا تعلق ہر انسان کی اپنی ذات سے ہے۔ ویسے بھی اب توبہ اور استغفار ایک عبادت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور عبادات مراقبے اور ذاتی توجہ کے ذریعے انجام پاتی ہیں۔ لیکن جب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں انفرادی توبہ کے ساتھ اجتماعی توبہ کو الگ سے توجہ دی گئی ہے۔ انفرادی طور پر حضرت آدمؑ و حواؑ کی توبہ (37:2)، چنانچہ شجرہ ممنوعہ سے پھل توڑ کر کھانا حضرت آدمؑ و حواؑ کا ذاتی فعل تھا، اور ان کی توبہ بھی خود انہی کی طرف منسوب کی گئی۔ یہ انفرادی مسئلہ ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالنونؑ کی توبہ جنہوں نے "لا الہ الا انت سبحانك" پڑھ کر اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا۔ اسی طرح اہل ایمان کی توبہ کا تذکرہ بھی ان کے انفرادی خطاؤں کے متعلق بعض آیات میں ملتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا:

وَإِذا جاءَكَ الَّذينَ يُؤْمِنُونَ بِآياتِنا فَقُلْ سَلامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءاً بِجَهالَةٍ ثُمَّ تابَ مِنْ بَعْدِهِ وَ أَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحيمٌ (54:6)

ترجمہ: "جب تمہارے پاس مؤمن لوگ آئیں تو انہیں کہو کہ تم پر سلامتی ہو، رب تعالی نے خود پر رحمت کو مقرر فرمادیا ہے، بیشک تم میں سے جو بھی نادانی کی وجہ سے برائی کا ارتکاب کرے پھر توبہ تائب ہو جائے اور اصلاح کرلے تو وہ غفور ورحیم ہے۔"

یہاں پر بھی انفرادی اصلاح کا ذکر ہے اور انفرادی توبہ کے نتیجہ میں عفو و بخشش کی نوید سنائی گئی ہے۔ اسی طرح فرمایا:

وَ الَّذانِ يَأْتِيانِها مِنْكُمْ فَآذُوهُما فَإِنْ تابا وَ أَصْلَحا فَأَعْرِضُوا عَنْهُما إِنَّ اللهَ كانَ تَوَّاباً رَحيماً (16:4)

ترجمہ: "تم لوگوں میں سے اگر دو مرد برائی انجام دیں، تو انہیں سزا دو، اگر توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگذر کردو، بیشک اللہ تعالی توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔"

یہ دو آدمیوں کا ذاتی فعل ہے اور اس کی سزا اور اس کے بعد توبہ کا تعلق بھی انہی دو سے ہی ہے۔ اسی طرح فرمایا:

إِنْ تَتُوبا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُما وَ إِنْ تَظاهَرا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللهَ هُوَ مَوْلاهُ وَ جِبْريلُ وَ صالِحُ الْمُؤْمِنينَ وَ الْمَلائِكَةُ بَعْدَ ذلِكَ ظَهيرٌ (4:66)

ترجمہ: "اگر تم دونوں (خواتین) توبہ کرلو تو (یہ بہت ضروری ہے کیونکہ) تمہارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں، اور گر تم دونوں نے پیغمبر (ص) کے خلاف گٹھ جوڑ کرلیا تو بیشک اللہ اس کا مولی ہے، جبریل، نیک مؤمنین اور ملائکہ پھر اگلے درجے میں اس کے مددگار ہیں۔"

یہ بھی دو خواتین کا ذاتی فعل تھا، جس پر انفرادی توبہ کی دعوت قرآن کریم نے دی ہے۔ اسی طرح تین آدمیوں کے متعلق فرمایا:

وَ عَلَى الثَّلاثَةِ الَّذينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذا ضاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِما رَحُبَتْ وَ ضاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوا أَنْ لا مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلاَّ إِلَيْهِ ثُمَّ تابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحيمُ (118:9)

ترجمہ: "ان تین لوگوں پر جو (جہاد سے) پیچھے رہ گئے، یہاں تک کہ زمین ان پر تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی اور خود انہیں جان کے لالے پڑ گئے، اب انہیں یقین ہو گیا کہ سوائے اللہ تعالی کے کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں ہے، پھر اللہ تعالی نے ان کی سن لی، اور ان کی توبہ قبول ہو گئی، بے شک اللہ تعالی توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔"

یہ ایک دو یا تین آدمیوں کے افعال سے متعلق آیات کے کچھ نمونے تھے۔ جہاں ذاتی فعل پر توبہ کی دعوت دی گئی۔ لیکن جب کوئی فعل سماجی رویہ بن جائے۔ سماج کی نس نس میں دوڑنے لگ جائے تو پھر ایک آدھ آدمی کی توبہ سے کام نہیں چلتا۔ عقل یہی کہتی ہے کہ اس پورے سماج میں اس فعل کے متعلق ندامت و پشیمانی اور پھر

بازبنی اور اصلاح کی ضرورت پیش آئے گی۔ تب جا کر مسئلہ حل ہو گا۔ قرآنی خطابات بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسی (ع) کی قوم کے متعلق فرمایا:

وَإِذْ قالَ مُوسى لِقَوْمِهِ يا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلى بارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بارِئِكُمْ فَتابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (54:2)

ترجمہ: "اور جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے تو اب اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آؤ، اپنے نفسوں کو مار دو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے، پس وہ تمہاری توبہ قبول کرلے گا، بیشک وہ تواب و رحیم ہے۔"

یہاں خطاب فرد سے نہیں ہے، بلکہ قوم سے ہے۔ کیونکہ مسئلہ ایک دو آدمیوں کا نہیں تھا۔ حضرت ہارونؑ نے بھی قوم کا حال بتلایا تو فرمایا کہ "ان القوم استضعفونی" یعنی پوری قوم نے مجھے کمزور قرار دیا اور نزدیک تھا کہ مجھے جان سے مار ڈالتے۔ لہٰذا مسئلہ اجتماعی نوعیت کا تھا تو مذکورہ بالا آیت میں توبہ کا دستور بھی پوری قوم کے لئے صادر ہوا۔ اسی طرح فرمایا:

وَ يا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّماءَ عَلَيْكُمْ مِدْراراً وَ يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلى قُوَّتِكُمْ وَ لا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ (52:11)

ترجمہ: "اے میری قوم اللہ تعالی سے معافی مانگو، پھر اس کی طرف لوٹ آؤ تو وہ تم پر آسمان کی برکات فراوانی سے بھیجے گا اور تمہاری طاقت میں مزید اضافہ کردے گا اور اللہ سے کٹ کر منہ دوسری طرف نہ موڑو۔"

یہ دعوت حضرت ہودؑ کی طرف سے اپنی قوم کے لئے تھی، اسی سے ملتی جلتی دعوت حضرت نوحؑ نے بھی اپنی قوم کو دی۔ دونوں ہی بے نتیجہ رہیں اور آخر میں ان دونوں قوموں پر اللہ تعالی کی افتاد آن پڑی۔

امت محمد (ص) کو بھی حکم ملا کہ سود خوری سے اجتماعی طور پر پرہیز کریں۔ یہ انفرادی مسئلہ نہ تھا۔ فرمایا

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَ رَسُولِهِ وَ إِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُسُ أَمْوالِكُمْ لا تَظْلِمُونَ وَ لا تُظْلَمُونَ (279:2)

ترجمہ: "اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سود خوری سے باز نہ آئے) تو اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لیے اپنے اصل مال واپس لینے کا حق محفوظ ہے۔ نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی تم پر کوئی ظلم کرے۔"

سود خوری اور معیشتی ظلم سے توبہ کرنے کا مسئلہ انفرادی اس لیے نہیں ہے کیونکہ معیشت خود انفرادی مسئلہ نہیں ہے۔ معیشت کے رگ و پے میں جب سود خوری اور ظلم و ستم دوڑا دیا جاتا ہے تو پھر کمزور آدمی کا جینا دوبھر ہو

جاتا ہے۔ سرمایہ دار طبقہ اپنے سرمائے کے بل بوتے پر کمزور طبقات کا معاشی استحصال کرتا ہے۔ ایسا معاشرہ پھر فلاح و نجات کیسے پا سکتا ہے؟

لہٰذا قرآن نے جب فرمایا ہے کہ "مؤمنین" بیشک فلاح یافتہ ہیں تو یقینا ان کی فلاح و بہبود کا طریقہ کار بھی تو اللہ تعالی نے دیا ہے۔ بغیر اس کے ایسی بات کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ معیشت اس فلاح و بہبود کا ایک بنیادی جزء ہے۔اور اس کے لئے "لا تَظۡلِمُونَ وَ لا تُظۡلَمُونَ " کا انتہائی جامع و مانع اصول قرآن کریم نے دیا ہے۔ اصل مسئلہ اسے فہم کرنے اور اس پر عمل درآمد کرنے کا ہے۔ کیونکہ اس کا انحصار زمان و مکان کے تقاضوں پر ہے۔ جس کے لیے اجتہادی کاوشوں سے اسلامی نقطہ نظر سے معاشی نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے، بغیر اس کے فلاح و بہبود ناممکن ہے۔

نتیجہ

قرآنی نقطہ نظر سے تقواانسان کی انفرادی زندگی کی طرح مسلم سماج کی اجتماعی زندگی پر بھی محیط ہے۔ متقین قرآنی مفہوم کی گہرائی اور وسعت کی روشنی میں بابصیرت انسانوں کا وہ مجموعہ ہیں جو باہمی تعاون واشتراک عمل، صبر و استقامت، معاشی امور کی اصلاح اور مستحکم زبانی روابط کی بنیاد پر سماج میں حیات طیبہ تشکیل دیتے ہیں۔ تقواانسان کو بابصیرت بنا کر زندگی کو لاحق مادی و معنوی خطرات سے محفوظ رہنا سکھاتا ہے۔ متقی لوگ ہی درحقیقت طہارت اور پاکیزگی کے علمبردار ہوتے ہیں۔ پاکیزگی پسندی انہیں جہاں ظاہری طور پر ماحول پاکیزہ رکھنے کی تلقین کرتی ہے، وہیں ایمان کی پاکیزگی اور منافقانہ رویوں سے پرہیز کا سبق بھی دیتی ہے۔ توابیت ان صفات کے حامل لوگوں کا رویہ ہے، جن کے بغیر طہارت اور تقوا کا خواب ادھورا رہ جاتا ہے۔یہ صفت تکمیلی کردار ادا کرتی ہے۔یعنی مذکورہ صفات کا حامل طبقہ اپنی غلطیوں پر اصرار کرنے کے بجائے، ہمیشہ اصلاح اور بہتری کے لیے فکرمند رہتا ہے۔ یوں قرآن کے فکری منظومے میں تقوا، طہارت اور توابیت وہ جامع اخلاقی صفات ہیں، جن کے بل بوتے پر مسلم سماج میں حیات طیبہ کی تشکیل ممکن ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

*****

References

1. Muhammad Furqan Gohar, “The Impact of Almighty Allah's Love & Non-Love upon the Moral Upbringing of A Muslim Society”, Quarterly Noor-e-Marafat, Volume 14, Issue 59, (2023): 9.

محمد فرقان گوہر، "مسلم سماج کے اخلاقی ارتقاء میں اللہ تعالی کی پسند و ناپسند کی تاثیر"، سہ ماہی نور معرفت، جلد 14، شمارہ59، (2023): 9۔

2. Hussain bin Muhammad Raghib, Isfahani, *Muafradat 'alfaz al-Qur'an*, Vol. 1(Lebanon, Syria I, Dar-ul-Ilam - Al-Dar al-Shamiat, 1412 AH), 881.

حسین بن محمد راغب، اصفہانی، *مفردات الفاظ القرآن*، ج1(لبنان، سوریہ اول، دارالعلم-الدار الشامیۃ، 1412ھ ق)، 881۔

3. Syed Muhammad Razi, *Nahj al-Balaghah* (Qum, Mas'isah Nahj al-Balaghah, 1414 AH), Sermon 184.

سید محمد رضی، *نہج البلاغۃ* (قم، مؤسسہ نہج البلاغہ، 1414ھ ق)، خطبہ184۔

4. Ibid.

ایضاً۔

5. Isfahani, *Muafradat 'alfaz al-Qur'an*, 625.

اصفہانی، *مفردات الفاظ القرآن*، 625۔

6. Hassan, Mustafawi, *Al-Tehqeeq fi Kalamat al-Qur'an al-Karim*, Vol. 9 (Tehran, Markz al-Kitab Lil-Tarajmat wa al-Nisher, 1402 AH), 33.

حسن، مصطفوی، *التحقیق فی کلمات القرآن الکریم*، ج 9 (تہران، مرکز الکتاب للترجمۃ والنشر، 1402ھ ق)، 33۔

7. Isfahani, *Muafradat 'alfaz al-Qur'an*, 192.

اصفہانی، *مفردات الفاظ القرآن*، 192۔

8. Mustafawi, *Al-Tehqeeq fi Kalamat al-Qur'an al-Karim*, Vol. 2, 75.

مصطفوی، *التحقیق فی کلمات القرآن الکریم*، ج 2، 75۔

9. Safoora Razzak pour Razai wa Jamshed Jalali Shebani wa Muzhgan Sarshar, "The study of the application of two-faced sin and repentance in the Holy Qur'an and the Gospel", Research in the Holy Qur'an, Issue 108, (2023); link: https://jqr.isca.ac.ir/article_75053.html (Accessed April, 26, 2024).

ملاحظہ فرمائیں فارسی مقالہ: صفورا رزاق پور رضایی و جمشید جلالی شیبانی و مژگان سرشار، "مطالعہ تطبیقی انگارہ‌ہای دووجہی گناہ و توبہ در قرآن کریم و انجیل"، پژوہش ہای قرآنی، شمارہ108، (2023)۔

10. Ibn Jarir, al-Tabari, *Jami al-Bayan*, Vol. 11, (Beirut., Dar-ul Fiker, 1412 AH), 20-23.

ابن جریر طبری، *جامع البیان فی تفسیر القرآن*، ج11، (بیروت، دارالمعرفۃ، 1412ھ.ق)، 20-23۔

11. Ibid.

ایضاً۔

12. Ibid.

ایضاً۔

13. Muhammad bin Yaqoub Abu jafar, kulani, *al-Kafi*, Vol. 3, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiyahat, 1407 AH), 296.

محمد بن یعقوب ابو جعفر، کلینی، *الکافی*، ج3، (تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، 1407ھ ق)، 296۔

14. Mehmod bn Umar, Zamakhshri, *Al-Kashf aen Ghuwamaz al-Tanzehl wa Ahyon al-Aqwahil fi Wajoh al-Tahwail*, Vol. 2, Edited by Hussain Ahmad, Mustafa, Chap. III, (Beirut, Dar al-Kitab al-Arabi, 1407 AH). 311; Muhammad Hussain, Tabatabai, *Al-Mizan fi Tafsir al-Qur'an*, Vol. 9, (Beirut, Muasasat al'Elami lilmatbuat, 1390 SH), 390.

محمود بن عمر، زمخشری، *الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التأویل*، ج2، مصحح: حسین احمد، مصطفیٰ، طبع سوم، (بیروت، دار الکتاب العربی، 1407ھ.ق) 311؛ محمد حسین، طباطبائی، *المیزان فی تفسیر القرآن*، ج9، (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1390ھ ق)، 390۔

15. Allama Syed Mehmood, Alusi, *Rooh al-Ma'ani*, Vol. 6, (Beirut, Dar al-Fikr, 1417 AH), 20.

علامہ سید محمود، آلوسی، *روح المعانی*، ج6، (بیروت، مطبوعہ دارالفکر، 1417ھ)، 20۔

16. Ibn Hanbal Shaybani, Ahmad, *Musnad Ahmad bn Hanbal*, Vol. 24, Research: Shuaib Al-Arnawat wa Adil Murshid wa Degran, chap. I, (Massida Al-Risala, 1421 AH), 235.

ابن حنبل شیبانی، احمد، مسند احمد بن حنبل، ج24، تحقیق: شعیب الأرنؤوط وعادل مرشد و دیگران، طبع اوّل، (مؤسسۃ الرسالۃ، 1421ق)، 235۔

17. kulani, *al-Kafi*, Vol. 1, 354.

کلینی، *الکافی*، ج1، 354۔

18. Abu Ali Fazal bn Hassan, Tabarsi, *Muqadma Majmah al-Bayan*, Vol. 5, (Beirut, Darahiya al-Trath al-Arabi,1372 AH), 110.

ابو علی فضل بن حسن، طبرسی، *مقدمہ مجمع البیان*، ج5، (بیروت، داراحیاء التراث العربی، 1372ق.)، 110۔

19. Ibn Majah, Imam Muhammad Ibn Yazid, Vol.1, *Sunan Ibn Majah*, Vol.1, Annotator Maroof, Bashhar Awad, (Riaz, Dar-es-Salaam, nd.), 309.

ابن ماجہ، امام محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ج1، تحقیق: معروف، بشار عواد، (بیروت، دار الجیل، 1418ھ.ق)، 309۔

20. Ismail bn Hammad Johary, *Taj Al-Laghga wa Sahih al-Arabiya*, Vol. 3, Editor/Corrector: Ahmad Abd al-Ghafoor Attar, Chap. 1, (Beirut, Darul Alam for the Millions, 1410 AH). 1014.

اسماعیل بن حماد جوہری، تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، ج 3 محقق/ مصحح: احمد عبد الغفور عطار، چاپ اول، (بیروت، دار العلم للملایین، 1410ق.) 1014۔

21. Ismail al-Sahib bn Ibad, *Al-Mahed fi al-Laghgaat*, Vol. 8, Research: Muhammad Hassan al-Yaseen, Chap. I, (Beirut, Alam al-Kitab, 1414 AH), 415.

اسماعیل الصاحب بن عباد، المحیط فی اللغۃ، ج8، تحقیق: محمد حسن آل یاسین، ، طبع اول، (بیروت، عالم الکتب، 1414ھ.ق) 415۔

22. Mustafawi, *Al-Tehqeeq fi Kalamat al-Qur'an al-Karim*, Vol. 5, 251.

مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج 5، 251۔

کلام امام علیؑ میں اعتدال کے نمونے

Patterns of Moderation in Imam Ali's Sayings

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Sadia Imrani
Ph.D Research Scholar, Comparative Tafseer Studies Department, Al-Mustafa International University, Qom, Iran.
E-mail: Sadyeh_byby@mail.miu.ac.ir
Orcid ID: 0009-0008-6794-7684

Abstract:

People of the world have different ideologies for prosperity in human life. As some of them consider human existence as limited to this world, so they have given a plan of goodness and welfare on basis limited to this world . According to them, man should get maximum comfort, peace and pleasure in this world; because nothing is to be gained after death.

On the contrary, some people kept in view the hereafter and are convinced of it but to such an extent that they have ignored the needs of the present world completely. They think all types of pursuit worldly comfort are an obstacle in the way of the goodness of hereafter. So, they give a lsson to live a life of monasticism by severing all ties with the world and the people of the world.

Meanwhile, Islam has shown the path of moderation by keeping its believers away from all kinds of excesses. In Islamic ideology, moderation is an excellent moral trait. This is the reason why Islam gives a lot of importance to moderation. In fact, Islam emphasizes upon moderation in belief, worship and all other activities. That is why Islam has emphasized upon moderation in the holy Quran and traditions.

In Islamic World, Hazrat Imam Ali (a.s.) is one world is on the

perfect level of asceticism, but at the same time, he seems to be so much busy in the settlement of the world affairs. He (a.s) also laid great emphasis on moderation in his golden words and sermons and have ordered moderation in various fields.
In this paper, an attempt has been made to find the patterns of moderation in the light of the words of Imam Ali (a.s).

Keywords: Moderation, Inflation, Excess, Prosperity.

خلاصہ

اہل دنیا نے انسانی زندگی میں خوشحالی کا جو لائحہ عمل تیار کیا ہے اس میں مختلف نظریات کار فرما ہیں۔ بعض لوگوں نے چونکہ انسانی وجود کو اسی دنیا میں محدود سمجھا ہے، اسی بنیاد پر اس کے لیے اچھائی اور خیر و برکت کا لائحہ دیا ہے۔ ان کے مطابق انسان کو اسی دنیا میں زیادہ سے زیادہ راحت، سکون اور لذت حاصل کر لینی چاہیے۔ کیونکہ موت کے بعد کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔
اِس بر عکس، بعض لوگوں نے آخرت کو مدّ نظر رکھا اور اس کے قائل ہوئے لیکن اس حد تک کہ موجودہ دنیا کی ضروریات کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا، بلکہ ہر قسم کی دنیا طلبی اور دنیاوی آرام و آسائش اور طلب کو آخرت کی راہ میں حائل سمجھنے لگے اور انہوں نے دنیا اور اہل دنیا سے تمام ناطے رشتے توڑ کر رہبانیت کی زندگی گزارنے کا درس دیا۔
لیکن اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچاتے ہوئے اعتدال کی راہ دکھائی ہے۔اسلامی آئیڈیالوجی میں اعتدال ایک بہترین اخلاقی صفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اعتدال کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ احادیث اور روایات میں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے؛ یہاں تک کہ اسلام میں عقیدے میں بھی اعتدال و میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔
حضرت امام علی علیہ السلام عالم اسلام کی ایک ایسی ہستی ہیں جن میں کمال درجے کا زہد بھی پایا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ دنیا کی آبادکاری اور دنیا محنت و تلاش میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔آپ نے اپنے سنہری کلمات اور خطبات میں بھی اعتدال پر کافی زور دیا ہے اور آپ نے مختلف شعبوں میں اعتدال کا حکم دیا ہے۔
اس مختصر مقالے میں امام علی علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں اعتدال اور میانہ روی کے نمونوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کلیدی کلمات: اعتدال، افراط، تفریط، خوشحالی، میانہ روی۔

اعتدال کا معنی و مفہوم

"اعتدال" کا کلمہ لغوی لحاظ سے عدل کے مادہ سے باب افتعال کا مصدر ہے۔ جس کا معنی کم، کیف یا تناسب میں متوسط ہونا ہے: وَالْاِعْتِدَالُ تَوَسُّطُ حَالٍ بَيْنَ حَالَيْنِ فِيْ كَمٍ اَوْ كَيْفٍ وَكُلُّ مَا تَنَاسَبَ فَقَدْ اِعْتَدَلَ۔[1] یعنی: "کسی چیز کی کمیت اور کیفیت کی دونوں حالتوں میں سے درمیانی حالت کو اختیار کرنا اور ہر چیز کا تناسب قائم کرنا اعتدال کہلاتا ہے۔"

اصطلاح میں اعتدال اور میانہ روی کا مطلب ہے: "تمام احکام وامور میں ایسی درمیانی راہ اختیار کرنا جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط یعنی نہ شدت ہو اور نہ از حد کوتاہی۔" الوسط فضيلة بين رذيلتين "یعنی: دو گھٹیا اور پَست حالتوں کی درمیانی حدّ کو "اعتدال" اور میانہ روی کہا جاتا ہے۔" دوسرے الفاظ میں "افراط" اور تفریط" جو کہ دونوں پَست اور گھٹیا خصوصیات اور حالتیں ہیں، اُن کی درمیانی حدّ، یعنی جہاں نہ افراط ہو، نہ تفریط ہو، اسے "اعتدال" کہا جائے گا۔

اعتدال کی ضرورت اور اہمیت

کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس کے فوائد اور اس سے متعلق کی گئی تاکید اور سفارش سے کیا جاتا ہے۔اعتدال ایک اخلاقی صفت ہے اور اس کی قرآن وسنت میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں عدل کا کلمہ تقریباً 28 دفعہ مصدر، ماضی، مضارع اور امر کے صیغوں میں استعمال ہوا ہے۔اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اشیاء اور اشخاص میں یہ خصوصیت، ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے اسلام کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا اور امت مسلمہ کو معتدل اور وسط امت کے لقب سے نوازا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (143:2)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔"

دراصل، افراط ہو یا تفریط، دونوں کا نتیجہ کجی اور کجروی، نیز فساد اور بربادی ہی نکلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء اگر قائم و دائم ہیں تو اپنے اعتدال کی وجہ سے۔ اسی طرح اشخاص اور افراد کی بقاء اور ان کا ارتقاء بھی اعتدال کا مرہونِ منّت ہے۔ لہٰذا کائنات کے ذرے ذرّر اور ہر فرد کو چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کے لیے اعتدال ضروری ہے۔ بدقسمتی سے چونکہ موجودہ زمانہ، ہر طرف افراط و تفریط کا زمانہ ہے تو اس میں اعتدال کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس موضوع کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے تاکہ دنیا میں امن و

امان اور انسانی سماج کی ترقی اور کمال کی راہیں ہموار ہو سکیں۔

اعتدال کے بارے میں امام علیؑ کے فرامین

حضرت امام علی علیہ السلام نے انسانی سماج میں اعتدال کی اہمیت کو بہترین طریقے سے اجاگر فرمایا ہے۔آپ ہر جگہ اور ہر شعبے میں اور ہر قسم کے حالات میں اعتدال قائم رکھنے پر زور دیتے ہیں۔آپ کا فرمان ہے: "میانہ رو ہلاک نہیں ہوتا۔"[2] نیز فرمایا آپ کا فرمان ہے: "ہر معتدل اور نیک طلب محروم نہیں رہتا، اسے کافی مقدار میں ملے گا۔[3]

آپ نے اپنے بعض والیوں کے نام لکھا: واقتَصِدْ فِي أمرِكَ،[4] یعنی: "اپنے امور میں اعتدال اختیار کرو۔"

امام علیؑ کے اعتدال کے بارے میں موجود فرامین کو مختلف عناوین کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے؛ مثلاً عقائد و احکام و اخلاق میں اعتدال اور اجتماعی و انفرادی زندگی میں اعتدال وغیرہ۔ ذیل میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں، ابعاد اور خصوصیات میں اعتدال کے قیام کے حوالے سے حضرت امام علی علیہ السلام کے فرامین اور ان کی تشریحات بیان کی گئی ہیں۔

1) عقیدے میں اعتدال

عقیدے میں اعتدال کی اہمیت زندگی کے دوسرے میدانوں میں اعتدال کو اپنانے سے بہت زیادہ ہے؛ کیونکہ عقیدہ انسان کے عمل کی بنیاد اور جڑ کی حیثیت رکھتا ہے جیسی بنیاد ہو عمارت بھی ویسی ہی ہو گی کمزور اور ٹیڑھی بنیاد پر مضبوط اور سیدھی عمارت کبھی بھی قائم نہیں کی جا سکتی۔

خداوند عالم کی ذات پر سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے لیکن اس کی صفات اور افعال کے لحاظ سے بعض لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی تعلیمات میں اللہ تعالی کی ذات و صفات کی معرفت میں، نیز اللہ تعالی کے افعال میں بھی اعتدال کی تعلیم واضح نظر آتی ہے۔ جہاں تک اللہ تعالی کی ذات و صفات کی معرفت میں میانہ روی اور اعتدال کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالی کی ذات و صفات نہ اس قدر برتر ہیں کہ ان کی ہر قسم کی معرفت ناممکن ہو اور در نتیجہ اللہ تعالی کی معرفت کے حصول کے امکان کی نفی کر دی جائے اور معرفت پروردگار سے انسانی عقول کی تعطیل اور چھٹی کروا دی جائے۔ اور نہ ہی خداوند تعالی کو ایسی صفات سے متصف کیا جائے کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالی کی ذات متعال کو بشری صفات سے متصف کر دیا جائے یا ایسی ذات و صفات کا حامل قرار دیا جائے جن کا مکمل عقلی احاطہ ممکن ہو۔

جہاں تک افعال باری تعالی میں اعتدال کے عقیدے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالی اپنے افعال میں نہ کسی غیر کے ارادے یا مشیت کے تابع ہے اور نہ ہی اس کے افعال حکمت کی قید سے خارج اور عدل کے

پیمانے سے باہر ہیں۔ اُس کی تکوین و تشریع اور ہر فعل و فیض، پیمانہ عدل سے لبریز اور ناپا تلا ہے۔
چنانچہ نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں آپ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بشری ادراک کے احاطے سے باہر ہونے کی بات کی ہے۔آپ ارشاد فرماتے ہیں: الحمد لله الذی لا یبلغ مدحته القائلون، و لا یحصی نعمائه العادّون... الذی لا یدرکه بعد الهمم و لا یناله غوص الفطن... یعنی: "تمام حمد اس اللہ کے لیے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے، نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔اس کے کمالِ ذات کی کوئی حد معین نہیں، نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں۔نہ اس کی [ابتداء] کے لئے کوئی وقت ہے جسے شمار میں لایا جاسکے، نہ اس کی کوئی مدّت ہے جو کہیں پر ختم ہو جائے۔"[5]
مع الوصف،آپ نے اسی خطبے میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت کے حصول سے بشری عقول کی تعطیل کی بھی نفی فرمائی ہے اور درمیانہ اور معتدل عقیدہ کی ترویج فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: کائن، لا عن حدث، موجود لا عن عدم مع کلّ شیء لا بمقارنة و غیر کلّ شیء لا بمزایلة فاعل لا بمعنی الحرکات و الاٰلة، بصیر... "یعنی: "وہ "ہے"؛ لیکن [حادث] ہوا نہیں۔ "موجود ہے"؛ مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا، وہ "ہر شئے کے ساتھ ہے"؛ نہ جسمانی اتصال کی طرح؛ وہ "ہر چیز سے علیحدہ ہے"، نہ جسمانی دُوری کے طور پر۔وہ "فاعل" ہے؛ لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں۔ وہ اُس وقت سے "بصیر" ہے جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی؛ وہ "یگانہ" ہے؛ اس لئے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر پریشان ہو جائے۔"[6]
یوں پورے خطبے میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی بیسیوں صفات بیان بھی کی ہیں جو ثبوتی صفات ہیں[7] اور ظاہر ہے اِن صفات کے ادراک ہی کا نام عقیدہ توحید ہے۔ گویا امیر المومنین علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے نہ فقط پہلے بلکہ بیسیوں خطبات میں صفات باری تعالیٰ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عدل الٰہی یعنی افعال پروردگار کا حکمت اور اعتدال کے تابع ہونے پر بھی گران قیمت ارشادات بیان فرمائے ہیں اور مسلمانوں کو توحید پر عقیدے میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔
توحید کے بعد نبوت کے عقیدہ میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ نبوت پہ ایسا عقیدہ ہونا چاہیے جس طرح اسلامی تعلیمات درس دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مدح و تعریف میں حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا تاکہ اللہ کے ساتھ شرک نہ واقع ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا: لا تُطْرُوني كما أَطْرَتِ النصارَى المسِيحَ فإنَّما أَنا عَبْدٌ و لکن قولوا عبدُ الله و رَسُولُه۔[8] یعنی: "میری مدح سرائی

میں غلو و انتہا پسندی سے کام نہ لو جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ بن مریمؑ کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ گئے۔ میں صرف ایک بندہ ہوں تو مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔"

اسی طرح اور جگہ فرماتے ہیں: لا تُطْرُوني كما أَطْرَتِ النَّصارَى المسِيحَ بن مَرْيَم، لأَنَّهم مَدَحُوه بما ليسَ فيه، فقالوا: ثالِثُ ثَلاثَةٍ و إِنَّه ابْنُ اللَّهِ و شِبْهُ ذلكَ مِن شِرْكِهم و كُفْرِهم۔[9] یعنی: "میری مدح سرائی میں غلو و انتہا پسندی سے کام نہ لو جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ بن مریمؑ کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ گئے۔ کیونکہ انہوں نے عیسیٰ [علیہ السلام] کی مدح سرائی میں وہ کچھ کہہ دیا جو [صفت] ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔ سو انہوں نے کہا: تین کا تیسرا اور یہ کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور ان کے شبیہ ہیں اور یہ نصاریٰ کا شرک اور کفر تھا۔"

توحید اور نبوت پر عقیدہ میں اعتدال کے بعد امامت پر عقیدہ رکھنے کے لیے بھی اعتدال بہت ضرورت ہے۔ دراصل، رسولِ خداﷺ کے فرمان کے مطابق حضرت علیؑ کی محبتِ ایمان کی علامت ہے اور یہ محبت خدا و رسولﷺ کی محبت کے سبب سے ہے اس لئے حد سے افراط بھی غلط ہے اور تفریط بھی غلط ہے علیؑ سے بغض نفاق کی علامت ہے اور انہیں ان کی شان سے بڑھانا شرک و کفر کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے کلام میں اپنے بارے میں غلو کرنے والوں اور آپ کے فضائل و کمالات کا انکار اور انہیں گھٹانے والوں، دونوں طرح کے لوگوں کی شدید مذمت فرمائی۔ آپ نے اعتدال کو امت محمدیہ کا بہترین امر قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

"اس امت کا بہترین امر، معتدل طریقہ ہے (آئمہ کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ ہونا چاہیے، مثلاً انسان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ خدا کے خاص بندے ہیں، اس کی مخلوق ہیں، انسانیت کے بلند ترین درجے پر فائز ہیں، دوسروں سے ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا، ان کے فضائل بے شمار ہیں، کوئی انسان ان کی منزل کو نہیں پہنچ سکتا) غلو کرنے والا (انہیں خدا سمجھنے والا) اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور پیچھے رہ جانے والا اس سے ملحق ہوتا ہے۔"[10]

حضرت علیؑ نے اپنے چاہنے والوں کو اپنی محبت میں بھی اعتدال کا دامن نہ چھوڑنے کی تاکید کی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: يهلك في رجلان محب غال و مبغض قال۔[11] یعنی: "میرے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہو گئے ہیں وہ دوست جو دوستی میں غلو سے کام لیتے ہیں اور وہ دشمن جو دشمنی میں مبالغہ کرتے ہیں۔" ایک اور جگہ فرمایا: يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ وَ بَاهِتٌ مُفْتَرٍ[12] یعنی: "میرے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہوں گے؛ ایک افراط کا شکار محب؛ اور دوسرا تفریط کا شکار افتراء پرداز۔"

حضرت کے اس کلمے کی روشنی میں ان کا حقیقی محب صرف وہی ہے جو نہ انہیں حد سے آگے بڑھائے اور نہ ہی ان حضرتؑ کو ان کی منزلت اور مقام سے جو خدا نے انہیں عطا کیا ہے نیچے گرائے۔ حقیقت میں ایسا ہی شخص آپ کا چاہنے والا اور محب ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: نَحْنُ النُّمْرَقَةُ الوُسطى بِها يَلْحَقُ التَّالى وَ اِلَيْها

يَرْجِعُ الغالی۔[13] یعنی: "ہم اہل بیتؑ ہی وہ نقطہ اعتدال ہیں جن سے پیچھے رہ جانے والا آگے بڑھ کر ان سے مل جاتا ہے اور آگے بڑھ جانے والے پلٹ کر ملحق ہو جاتا ہے۔"

2) عبادت میں اعتدال

عبادت کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ انسانی فطری تقاضوں کو پورا کرنا، صرف رہبانیت یا صرف مادیت کو اختیار کیے بغیر روح و جسم کے درمیان نازک رشتے کا خیال رکھتے ہوئے فرامین خدا وندی کی روشنی میں زندگی بسر کرنا عبادت میں اعتدال و میانہ روی کہلاتا ہے۔ خدا وند عالم کا ارشاد ہے: وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (28:77) ترجمہ: "اور جو کچھ اللہ تعالی نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول۔"

رسول خداﷺ فرماتے ہیں: فان المنبت لا ارضا قطع ،ولا ظهرا ابقا۔[14] یعنی: "چند منزلوں کو ایک ہی دم میں طے کرنے کا خواہشمند، نہ تو مسافت طے کر پاتا ہے اور نہ اپنی سواری کے جانور کی پشت کو صحیح و سالم چھوڑتا ہے۔" لہٰذا عبادت میں افراط اور تفریط جاہل کی علامات ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: لا ترى الجاهل إلّا مفرطا، أو مفرّطا۔[15] یعنی: "جاہل ہمیشہ افراط اور تفریط کا شکار رہتا ہے یا حد سے آگے بڑھ جاتا ہے یا پیچھے ہی رہ جاتا ہے۔ (کہ اسے حد کا اندازہ ہی نہیں ہے)۔"

عبادت میں اعتدال قائم کرنے کے حوالے سے حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: واقْتَصِدْ يا بُنَيَّ في مَعيشَتِكَ، واقْتَصِد في عبادَتِكَ، وعليك فيها بالأمرِ الدّائِمِ الَّذي تُطيقُه۔[16] یعنی: "بیٹا! اپنے اخراجات اور عبادت میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرلو اور ہمیشہ وہ کام انجام دو جو تمہاری قدرت میں ہو۔"

3) اخلاقی امور میں اعتدال

حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں اعتدال ہی وہ راستہ ہے جو ہمیں نجات کی طرف لے جاتا ہے؛ جیسا کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ اَخَذَ القَصْدَ حَمِدُوا اِلَيْهِ طَرِيقَه وَ بَشَّرُوهُ بِالنَّجَاةِ [17] یعنی: "جو صحیح راستہ پر چلتا ہے اس کی روش کی تعریف کرتے ہیں اور اسے نجات کی بشارت دیتے ہیں۔"

4) روابط میں اعتدال

غیر ضروری خضوع اور جذبہ کے اظہار کے بارے میں فرماتے ہیں: ما اقبح الخضوع عند الحاجة

والجفا عند الغنی۔[18] یعنی: :احتیاج کے وقت خضوع اور خشوع کا اظہار کس قدر ذلت کی بات ہے اور بے نیازی کے وقت بدسلوکی کس قدر قبیح حرکت ہے۔"

رسول گرامی اسلام ﷺ جن کی سیرت ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ حضرت علیؑ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: سِیرَتُهُ الْقَصْد[19] یعنی: "ان کی سیرت میانہ روی تھی۔" نیز فرمایا: المؤمن سيرته القصد و سنّته الرّشد۔[20] یعنی: "مومن کی سیرت میانہ روی اور اس کی عادت اچھائی ہوتی ہے۔"

امام حسینؑ فرماتے ہیں، میں نے اپنے والد امیر المؤمنینؑ سے رسول اللہ ﷺ کی گھر سے باہر کی سیرت کے بارے میں سوال تو آپؑ نے فرمایا: فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ (ص) يَخْزُنُ لِسَانَهُ إِلَّا عَمَّا يَعْنِيهِ... يُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَ يُقَوِّيهِ وَ يُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَ يُوهِنُهُ مُعْتَدِلَ الْأَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِف[21] یعنی: "رسول اللہ ﷺ قابل توجہ بات کہنے کے علاوہ خاموشی اختیار فرماتے۔۔ نیکی کی ستائش فرماتے اور اس کی تقویت کرتے اور برائی کی مذمت فرماتے اور اس کی حوصلہ شکنی کرتے؛امور میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے اور افراط و تفریط سے پرہیز کرتے تھے۔"

بنابریں، مثالی معاشرہ وہی معاشرہ ہے جو ہر طرح کے انحراف اور کجی سے بچے اور اعتدال و میانہ روی کو اختیار کرے کیونکہ اسی میں سلامتی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: من أراد السّلامة فعليه بالقصد۔[22] یعنی: "جو سلامتی چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ میانہ روی اختیار کرے۔"

5) اخراجات میں اعتدال

انفاق و خرچ میں میانہ روی اس فرمان الٰہی سے واضح ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (67:25)

ترجمہ: "اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں۔"

اسی قرآنی اصول کی پیروی میں مولائے کائنات حضرت علیؑ بھی اسراف اور تبذیر نیز کنجوسی سے منع کرتے ہیں۔ اس حوالے سے بھی آپ کی نصیحت اعتدال ہے: كن سمحاً ولا تكن مبذّراً وكن مقدّراً ولا تكن مقتّرا۔[23] یعنی: "سخاوت مندی کرو، لیکن فضول خرچی نہ کرو اور کفایت شعاری اختیار کرو، لیکن کنجوس مت بنو۔" امیر المومنینؑ نے ایک کلام میں ایک دوسرے کی متضاد صفات بیان کر کے انسانیت کو اعتدال کا صحیح راستہ دکھایا ہے۔ کفایت شعاری اور سخاوت کی سفارش کی ہے اور بخل اور اسراف سے منع کیا ہے۔ ایک اور جگہ آپؑ

نے اسراف کے بارے میں یوں فرمایا ہے: فَدَعِ الإِسْرَافَ مُقْتَصِداً[24] یعنی: "اسراف کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔"

آپؑ سے نقل ہوا ہے: ألإقتصاد ينمى اليسير. ألإسراف يفنى الكثير۔[25] یعنی: "میانہ روی کم چیز کو بڑھا دیتی ہے اور اسراف کثیر چیز کو فنا کر دیتا ہے۔" نیز اعتدال سے ہٹنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے اور ان کو افراط و تفریط کے بُرے آثار سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ثَمَرَةُ التَّفْرِيطِ النَّدَامَةُ وَ ثَمَرَةُ الْحَزْمِ السَّلَامَةُ[26] یعنی: "کوتاہی کا نتیجہ شرمندگی ہے اور احتیاط و دوراندیشی کا نتیجہ سلامتی ہے۔"

6) حکومتی امور میں اعتدال

امیر المومنینؑ اپنے بعض گورنروں کو عوام الناس کے ساتھ میانہ روی اختیار کرنے کی سفارش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فَالْبَسْ لَهُمْ جِلْبَاباً مِنَ اللِّينِ تَشُوبُهُ بِطَرَفٍ مِنَ الشِّدَّةِ وَ دَاوِلْ لَهُمْ بَيْنَ الْقَسْوَةِ وَ الرَّأْفَةِ وَ امْزُجْ لَهُمْ بَيْنَ التَّقْرِيبِ وَ الْإِدْنَاءِ وَ الْإِبْعَادِ وَ الْإِقْصَاءِ إِنْ شَاءَ اللَّه[27] یعنی: "ان کے ساتھ ایسی نرمی کا رویہ اختیار کرو جس میں قدرے سختی بھی شامل ہو اور ان کے ساتھ سختی اور نرمی کے درمیان کا سلوک کرو کہ کبھی قریب کر لو کبھی دور کر لو۔ کبھی نزدیک بلاؤ اور کبھی الگ رکھو۔" حضرت علیؑ مالک اشتر کے عہد نامے میں ارشاد فرماتے ہیں: وَلْيَكُنْ اَحَبُّ الاُمُورِ اِلَيْكَ اَوْسَطُها فِى الْحَقِّ[28] یعنی: "تمہارے لئے پسندیدہ کام وہ ہونا چاہیے جو حق کے اعتبار سے بہترین ہو۔"

نتیجہ گیری

نتیجہ یہ ہے کہ دین اسلام کی تمام تر تعلیمات کی بنیاد اعتدال و میانہ روی پر رکھی گئی ہے؛ چاہے ان کا تعلق قول و عمل سے ہو یا اخلاق و معاملات یا دوسرے امور سے۔ یہ عظیم و نمایاں تعلیم اسلام کا خاصہ ہے، جس سے دنیا کے دیگر تمام ادیان و مذاہب عاری ہیں اور یہ ان بیش بہا خصوصیات و اوصاف میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے دین اسلام کو دنیا و آخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اس اخلاقی صفت کو بہت پسند کرتے ہیں اور آپ کے فرامین میں اس کے واضح طور پر نمونے ملتے ہیں۔

*****

References

1. Ibrahim Mustafa & Grouw Nawstgaan, *Al-Mu'jam al-Wasit*, (Lahore, Maktaba Rahmaniya, nd.), 696; Muhammad Ibn Makram, Ibn Manzoor, *Lisaan ul Arab*, Vol. 3, (Beirut, Mossah Al-Alami, Lilmutbowaat, 1414 AH), 2532; Al-Zahir Ahmad, Al-Zawi, *Tarteeb Al-Qamos al-Mawheet*, Vol. 3, (Beirut, Darul-Fikr, nd.), 172.

ابراہیم مصطفیٰ اور گروہ نویسندگان، *المعجم الوسیط*، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، سن ندارد)، 696؛ محمد ابن مکرم، ابن منظور، *لسان العرب*، ج3، (بیروت، موسسہ الاعلمی، للمطبوعات، 1414)، 2532؛ الظاہر احمد، الزاوی، *ترتیب القاموس المحیط*، ج3، (بیروت، دارالفکر، سن ندارد)، 172۔

2. Muhammad Baqir, Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 74, Chap. II, (Beirut, Dar Ihya Al-Turath al-Arabi, 1403 AH), 212; Hassan bn Ali, Harani, *Tufh al-Aqool*, Chap. II, (Qom, Jamia Madraseen, 1404 AH), 85; Muhammad bn Hussain Jamal, Khawansari, *Sharh Aqa Jamal Khawansari br Gharor wa dar al-Hikam*, Vol. 5, Chap. IV, (Tehran, Danashgah Tehran, 1366 SH), 70.

محمد باقر، مجلسی، *بحار الانوار*، ج74، ، چاپ دوم، (بیروت، دارإحیاء التراث العربی، 1403ق)، 212؛ حسن بن علی، حرانی، *تحف العقول*، چاپ: دوم، (قم، جامعہ مدرسین، 1404)، 85؛ محمد بن حسین جمال، خوانساری، *شرح آقا جمال خوانساری بر غرر الحکم ودرر الکلم*، ج5، چاپ چہارم، (تہران، دانشگاہ تہران، 1366ش)، 70۔

3. Syed Hussain Sheikh ul-Islami, *Aqwal Ali Hidayat al-Ilam wa Gharral al-Hikm*, translate: Allama Nisar Ahmad Zain Puri, (Lahore, Misbah Al-Quran Trust, 2012), 96.

سید حسین شیخ الاسلامی، *اقوال علی ھدایۃ العلم و غرر الحکم*، ترجمہ: علامہ نثار احمد زین پوری، (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 2012)، 96۔

4. Ibid, 172.

ایضاً، 172۔

5. Imam Ali (A.S), *Nahj al-Balagha*, translate and footnotes: Mufti Jafar Hussain, (Shacago, Baitul Elam Academy, 2022), 91.

امام علی علیہ السلام، *نہج البلاغہ*، ترجمہ و حواشی: مفتی جعفر حسین، (شکاگو، بیت العلم اکیڈمی، 2022ع)، 91۔

6. Ibid, 92.

ایضا، 92۔

7. See: Ibid, Sermon # 63, 88, 184.

دیکھیں: ایضا، خطبہ نمبر63،88،184۔

8. Ibn Manzoor, *Lisaan ul Arab*, Vol. 15, Chap. III, 6.

ابن منظور، *لسان العرب*، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ج15، چاپ سوم، 6۔

9. Muhammad Murtaza Hussaini, Zubaydi, *Taj al-Aros min Jawahar al-Qamoos*, Vol. 19, (Beirut, Dar al-Fikr, 1414 AH), 632.

محمد مرتضی حسینی، زبیدی، *تاج العروس من جواہر القاموس*، ج19، (بیروت، دار الفکر، 1414ق)، 632۔

10. Syed Muhammad bn Hussain, Sharif Al-Razi, *Nahj al-Balaghah* (Qom, Hijrat, 1414 AH), 364.

سید محمد بن حسین، شریف الرضی، *نہج البلاغۃ*، (قم، ہجرت، 1414ق)، 364۔

11. Ibrahim bn Muhammad bn Saeed bn Hilal, Saqfi, *Al-Gharat*, Vol. 2, (Tehran, Anjuman Ashar Milli, 1395 SH), 588; Muhammad bn Ali, Karajki, *Mahdan al-Jawahar wa Riyazat al-Khwatar*, Chap. II, (Tehran, Al-Maqtabah Al-Murtazawiya, 1394 SH / 1353 SH), 26; Abd al-Wahed bn Muhammad Tamimi, Amadi, *Gharr al-Hakam wa Darr al-Kalam*, Chapt. II, (Qom, Dar al-Kitab al-Islami, 1410 AH), 735.

ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال، ثقفی، *الغارات*، ج2، (تہران، انجمن آثار ملی، 1395ق)، 588؛ محمد بن علی، کراجکی، *معدن الجواہر و ریاضۃ الخواطر*، چاپ دوم، (تہران، المکتبۃ المرتضویۃ، 1394ق/1353ش)، 26؛ عبد الواحد بن محمد تمیمی، آمدی، *غرر الحکم و درر الکلم*، چاپ دوم، (قم، دار الکتاب الاسلامی، 1410ق)، 735۔

12. Muhammad bn Hussain, Sharif al-Razi, *Khasais al-Aimah (a.s)*, (Mashhad, Astan Quds Razvi, 1406 AH), 124.

محمد بن حسین، شریف الرضی، *خصائص الائمۃ علیہم السلام (خصائص امیر المؤمنین علیہ السلام)*، (مشہد، آستان قدس رضوی، 1406ق)، 124۔

13. Harani, *Tufh al-Aqool*, 116; Sharif al-Razi, *Nahj al-Balagha*, 488; Muhammad bn Muhammad, Mufid, *al-Amali*, (Qom, Kangra Sheikh Mufid, 1413 AH), 4.

حرانی، *تحف العقول*، 116؛ شریف الرضی، *نہج البلاغۃ*، 488؛ محمد بن محمد، مفید، *الامالی*، (قم، کنگرہ شیخ مفید، 1413ق)، 4۔

14. Shaheed Murtaza, Mutahari, *Tahirat Rooh*, Trans: Sajjad Hussain Qaimi, (nc., Al-Zahra Publishers, 2010), 145.

شہید مرتضی، مطہری، طہارت روح، ترجمہ: سجاد حسین قائمی، (شہر ندارد، الزہراء پبلشرز، 2010)، 145۔

15. Mirza Habibullah Hashemi, Khoi, *Minhaj al-Baraa' fi Sharh Nahj al-Balagha*, Vol. 1, Chap. 4, (Tehran, Maktabah al-Islamiya, 1400 AH),

194; Fakher al-Din bn Muhammad, Tareehi, *Majma Al-Bahrain*, Vol. 4, Chap. III, (Tehran, Murtazavi, 1375 SH), 265.

میرزا حبیب اللہ ہاشمی، خوئی، منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ، ج1، چاپ چہارم، (تہران، مکتبۃ الاسلامیۃ، 1400ق)، 194؛ فخر الدین بن محمد، طریحی، مجمع البحرین، ج4، چاپ سوم، (تہران، مرتضوی، 1375ش)، 265۔

16. Ali Ahmadi, Mianji, *Makatib al-Ihmama alaihim salam*, Vol. 2, (Qom, Dar al-Hadith, 1426 AH), 236.

علی احمدی، میانجی، مکاتیب الائمۃ علیہم السلام، ج2، (قم، دار الحدیث، 1426ق)، 236۔

17. Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, Sermon 222.

الرضی، نہج البلاغہ، خطبہ 222۔

18. Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, Letter # 13, 601.

الرضی، نہج البلاغہ، مکتوب 13، 601۔

19. Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, 139; Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 16, 379.

الرضی، نہج البلاغۃ، 139؛ مجلسی، بحار الانوار، ج16، 379۔

20. Khawansari, *Sharh Aqa Jamal Khawansari br Gharor wa dar al-Hikam*, Vol. 1, 388.

خوانساری، شرح آقا جمال خوانساری بر غرر الحکم و درر الکلم، ج1، 388۔

21. Muhammad bin Ali, Ibn Babawiyah, Ayon Akhbar al-Raza (A.S), Vol. 1, Chap. I, (Tehran, Nashar Jahan, 1378 SH), 318; Muhammad Ibn Ali, Ibn Babawiyah, *Ma'ani Al-Akhbar*, Chap. I, (Qom, Dafter AntaSharat-e-Islami Wabasta ba Jamia Madraseen Hoz-e-Illamieh Qom, 1403 AH), 82; Syed Hashim bn Sulaiman, Bahrani, *Haliya Al-Abrar fi Ahwal Muhammad wa Alah al-Athar (A.S)*, Vol. 1, Chap. I, (Qom, Mossat Al-Maarif Islamiat, 1411 AH), 175; Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 16, Chap- II, 151.

محمد بن علی، ابن بابویہ، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج1، چاپ اوّل، (تہران، نشر جہان، 1378ق)، 318؛ محمد بن علی، ابن بابویہ، معانی الاخبار، چاپ اوّل، (قم، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، 1403ق.)، 82؛ سید ہاشم بن سلیمان، بحرانی، حلیۃ الابرار فی احوال محمّد و آلہ الاطہار علیہم السلام، ج1، چاپ اوّل، (قم، مؤسسۃ المعارف الاسلامیۃ، 1411ق)، 175؛ مجلسی، بحار الانوار، ج16، چاپ دوّم، 151۔

22. Amadi, *Gharr al-Hakam wa Darr al-Kalam*, 596.

آمدی، غرر الحکم و درر الکلم، 596۔

23. Sharif Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, 474; Ab dal-Wahed bn Muhammad, Tamimi Ammadi, *Gharar al-Hakam wa Darr al-Kalam*, Chap. II, (Qom, Dar al-Kitab al-Islami, 1410 AH), 528.

شریف الرضی، نہج البلاغہ، 474؛ عبد الواحد بن محمد، تمیمی آمدی، غرر الحکم و درر الکلم، چاپ: دوم، (قم، دار الکتاب الاسلامی، 1410ق)، 528۔

24. Majlisi, *Bihar al-Anwar*, Vol. 33, 490; Abbas, Qomi, *Safina al-Bahar*, Vol.3, (Qom, Iswah, 1414 AH), 575; Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, 377.

مجلسی، بحار الانوار، ج33، 490؛ عباس، قمی، سفینۃ البحار، ج3، (قم، اسوہ، 1414ق)، 575؛ الرضی، نہج البلاغۃ 377۔

25. Ali bn Muhammad Laisey, Wasti, *Ahyon al-Hukam wa al-Muwaaz*, (Qom, Dar al-Hadith, 1376 SH), 42; Amadi, *Gharr al-Hakam wa Darr al-Kalam*, Chap. II, 36.

علی بن محمد لیثی، واسطی، عیون الحکم والمواعظ، (قم، دار الحدیث، 1376ش)، 42؛ آمدی، غرر الحکم و درر الکلم، چاپ دوم، 36۔

26. Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, 502; Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, Vol. 68, 341.

الرضی، نہج البلاغۃ، 502؛ المجلسی، بحار الانوار، ج68، 341۔

27. Al-Razi, *Nahj al-Balaghah*, 376.

الرضی، نہج البلاغۃ، 376۔

28. Mianji, *Makatib al-Ihmama alaihim salam*, Vol. 1, 480.

میانجی، مکاتیب الائمۃ علیہم السلام، ج1، 480۔

قرآن میں معاشی تربیت کے لیے الٰہی سنّتیں

Divine Traditions for the Economic Education in Quran

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr. Ghulam Abbas
Researcher NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat, Mustafa International University, Islamabad, Pakistan.
E-mail: ghulamabbas.kash@gmail.com

Abstract: Allah has made some Sunnahs general in this world which have nothing to do with human actions, such as Sunnah of Mercy and Sunnah of Guidance etc. On the contrary, there are some sunnahs which are associated with human actions. In this article, the divine sunnahs in the field of economics, That is, if a person performs those actions, those Sunnahs will be realized in this world But if a person does not perform these actions, those Sunnahs will not be realized. As in the light of the Qur'an, piety, trust, piety, thanksgiving, giving, lending and marriage increase sustenance. Similarly, it is the Sunnah of Allah that the more effort and effort a person makes, the more sustenance he will get.
It is also the Sunnah of Allah to provide hardship and generosity in sustenance, which God does according to the interests of His servants. Being aware of these interests, a person stays close to God in all situations, and tries to perform those actions that increase sustenance. And keep away from those actions, which take away from God and cause hardship in sustenance.

Keywords: Quran, Economic, Education, Divine traditions, Humen

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے اس جہان کا نظام چلانے کے لیے کچھ سنتیں عمومی قرار دی ہیں جن کا انسان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں، جیسے: سنت رحمت اور سنت ہدایت وغیرہ ہیں۔ اس کے برعکس کچھ سنتیں ایسی بھی ہیں جو انسانوں کے اعمال پر موقوف ہیں۔ اس مقالہ میں قرآن کی رو سے معاشیات کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی وہ سنتیں بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق انسان کے اعمال سے ہے، یعنی اگر انسان وہ اعمال انجام دے گا تو وہ سنتیں اسی دنیا میں محقق ہوں گی، لیکن اگر انسان ان اعمال کو انجام نہیں دے گا تو وہ سنتیں محقق نہیں ہوں گی، جیسے: قرآن کی روشنی میں دینداری، توکل، تقویٰ، شکر، انفاق، قرض دینے اور شادی کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ انسان جتنی سعی اور کوشش کرے گا، اسے اتنا رزق ملے گا۔ رزق میں تنگی اور فراخی دینا بھی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جسے خداوند تعالی بندوں کی مصلحت کے مطابق انجام دیتا ہے۔ ان مصلحتوں سے آگاہی سے انسان ہر حال میں خداوند تعالی کے نزدیک رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اعمال انجام دے جن سے رزق میں اضافہ ہو اور ان اعمال سے دوری اختیار کرے جو انسان کو خدا سے دور کرتے ہیں اور رزق میں تنگی کا باعث بنتے ہیں۔

کلیدی کلمات: قرآن، معاشی تربیت، الٰہی سنتیں، انسان، سعی و کوشش۔

مقدمہ

قرآنی ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے قوانین بنائے ہیں جن کا تعلق انسان کے اعمال سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اختیار میں رکھا ہے کہ اگر وہ نیک اور اچھے اعمال انجام دے گا تو اس کے مقابلے میں خداوند تعالی نے اسے اسی دنیا میں جزائے خیر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اسی طرح اگر انسان برے اعمال انجام دے گا تو خداوند تعالی اسی دنیا میں اس کی سزا دے گا۔ یہ ایسی سنتیں ہیں جو تمام قوموں کے لیے یکساں ہیں۔ اگر گزشتہ قوموں کی طرف نگاہ کی جائے تو بہت سے شواہد ایسے ملیں گے جن شواہد کے مطابق خداوند تعالی کی سنتوں پر عمل کرنے سے کچھ قوموں کو اسی دنیا میں اچھی جزا ملی اور کچھ قومیں ایسی بھی گزری ہیں جنہوں نے ایسے اعمال انجام دیے جس کے بدلے میں انہیں اسی دنیا میں عذاب ملا۔

الٰہی سنتوں میں بعض سنتیں ایسی ہیں جن کا ایک پہلو اثباتی اور ایک پہلو سلبی ہے، مثال کے طور پر شکر کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اور ناشکری سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ ان سنتوں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ سنتیں زمان اور مکان سے بالاتر ہیں؛ جیسے گزشتہ قوموں کے لیے تھیں اسی طرح ہمارے لیے بھی ثابت ہیں۔ اس لیے ان سنتوں کا جاننا بے حد ضروری ہے تاکہ انسان اپنی زندگی میں ان سنتوں پر عمل کرے اور خداوند تعالی کی ان سنتوں

سے بہرہ مند ہو جو خداوند تعالی نے انسان کی پیشرفت کے لیے بنائی ہیں اور اس کے بر عکس ان سنتوں کا جاننا بھی ضروری ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بنایا ہے کہ انسان ایسے کاموں سے دوری اور اجتناب کرے جو خداوند تعالی کے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔ موجودہ تحقیق میں ان مطالب پر اکتفاء کیا جائے گا جو انسان کی معاشی تربیت سے وابستہ ہیں اور ان سنتوں کو زیر بحث لایا جائے گا جن کا میدان فراہم کرنا انسان کے ہاتھ میں ہے۔

مفہوم شناسی

سنت

سنت لغت میں روش، طریقہ، قانون،آئین، رسم و رواج اور فطرت ہے۔[1] راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کے راستہ، طریقے اور روش کا نام ہے۔ خداوند تعالی کی سنت سے دو مطلب مراد ہیں: 1۔ خداوند تعالی کی حکمت کی روش 2۔ خداوند تعالی کی اطاعت اور بندگی کا طریقہ۔ اصطلاح میں سنت سے مراد وہ اعمال ہیں جنہیں خداوند تعالی مسلسل اس طرح سے انسانوں کے لیے انجام دیتا ہے اور دیتا رہے گا جیسے وہ ان اعمال کے قانون مند ہونے کی حکایت کر رہی ہوں۔[2]

سنتوں کی اقسام

اللہ تعالیٰ کی سنتوں کی تقسیم مختلف طریقوں سے کی گئی ہے لیکن اختصار کے پیش نظر یہاں ہم سنتوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

1. مطلق سنتیں

ایسی سنتیں ہیں جنہیں خداوند تعالی نے انسانوں کے اعمال پر توجہ دیے بغیر اس جہان میں قرار دیا ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں۔ اصل میں انسان کی آفرینش اور تدبیر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں رکھا ہے۔ یہ سنتیں عمومی ہیں، ان کا انسان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔[3]

2. مقید سنتیں

ایسی سنتیں جو ان مقدمات پر موقوف ہیں جنہیں فراہم کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ ان سنتوں کی بنیاد انسان کے وہ انفرادی اور اجتماعی اعمال ہیں جنہیں وہ انجام دیتا ہے۔ جب بھی ان کے مقدمات فراہم ہوں گے، وہ قطعی طور پر واقع ہوں گی۔ دراصل انسان کے یہ اعمال انعام یا سزا کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سنتوں کے درمیان بھی علت اور معلول کا رابطہ رکھا ہے۔[4]

الٰہی سنتوں کی خصوصیات

1. الٰہی ہونا

قرآن میں سنت اللہ کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ یہ سنّتیں الٰہی ہیں: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا (فاطر 43) ترجمہ: اور تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں کوئی تغیر نہیں پائے گا۔

2. تمام امتوں کے لیے یکساں ہونا

یہ سنّتیں کسی زمانہ اور قوم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ سنّتیں زمان اور مکان سے بالاتر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (آل عمران 137) ترجمہ: تم سے پہلے کئی واقعات ہو چکے ہیں سو زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اسی طرح فرمایا: يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (نساء 26) ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (قوانین) بیان کرے اور تمہیں پہلوں کی راہ پر چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

3. تبدیل نہ ہونا

یہ سنّتیں قانون مند ہیں یعنی یہ سنّتیں ایسی نہیں کہ ایک زمانے میں ایک تاثیر رکھیں اور دوسرے زمانے میں دوسری تاثیر۔ یہ الٰہی قوانین تمام امتوں کے لیے ایک جیسے ہیں۔ کسی امت یا گروہ کے ساتھ خاص نہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ یہ سنّتیں ایک زمانہ میں ایک کچھ ہوں اور دوسرے زمانے میں کچھ اور۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (احزاب 62) ترجمہ: یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے قانون میں کوئی تبدیلی ہرگز نہ پائیں گے۔

4. اختیاری ہونا

یہ ایسی سنّتیں ہیں جن کے مقدمات کا فراہم کرنا انسان کے اختیار میں ہے، لیکن ان سنتوں کا نتیجہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ انسان ان سنتوں سے آگاہی رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو جب بھی انسان ایسے اعمال دے گا جن پر یہ سنّتیں موقوف ہیں تو ان اعمال کے مطابق یہ سنّتیں متحقق ہو جائیں گی، جیسے: قرآن کی ایک آیت کے مطابق جب ایک بستی والوں نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا۔ وَتِلْكَ الْقُرَى أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا (کہف 59) ترجمہ: اور یہ بستیاں جو ویران پڑی ہیں جب انہوں نے ظلم کیا۔ جب انسانوں نے ظلم کیا تب ہلاک ہوئے یعنی اگر ظلم نہ کرتے تو خداوند تعالیٰ کی یہ سنت انجام نہ پاتی۔

معاشیات کے میدان میں الٰہی سنتیں

قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ نے معاشیات کے میدان میں دو طرح کی سنتیں قرار دی ہیں:

ایک وہ سنتیں ہیں جو معاشیات کے میدان میں مثبت تاثیر رکھتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پچھلی کتابوں میں بھی ہم نے لکھ دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوں گے ہم انہیں زمین کا وارث بنائیں گے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء 105) ترجمہ: اور البتہ بتحقیق ہم ذکر کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک ہمارے نیک بندے ہی زمین کے وارث ہوں گے۔

لفظ "زمین" جب مطلق کہا جائے تو یہ اس جہان کی زمین ہے۔ لفظ "ارث" کا مطلب ہے وہ چیز جو بغیر کسی لین دین کے منتقل ہو جائے۔[5] الذِّكْرِ سے مراد قرآن ہے یا تورات اس پر مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں، لیکن آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر سے مراد تورات ہے چونکہ زبور کے بعد جو کتاب نازل ہوئی وہ تورات ہے۔ قرآن زبور کے بعد نہیں بلکہ سب سے آخر میں نازل ہوا۔[6] صالحون کا ایک وسیع مفہوم ہے جس میں ایمان اور توحید کے ساتھ دوسری تمام خوبیاں شامل ہیں، جیسے: عمل اور تقویٰ کے لحاظ سے قابلیت، علم و آگاہی کے لحاظ سے قابلیت، قوت و صلاحیت کے لحاظ سے قابلیت، امور کی تدبیر اور اجتماعی نظم کے حوالے سے قابلیت سب صالح اعمال میں شامل ہیں۔[7] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر لوگ نیک اعمال انجام دیں گے تو اللہ تعالیٰ زمین کی منفعت ان کے سپرد کرے گا، یعنی ایسے اسباب بنائے گا جس سے ان کی معاشی زندگی بہتر ہوتی جائے گی۔ اموال کی کثرت اور زیادتی ہوگی اور ان اموال کے یہ مالک ہوں گے۔

دوسری وہ سنتیں ہیں جو معاشیات کے میدان میں سلبی تاثیر رکھتی ہیں جن کے انجام دینے سے معاشیات کے میدان میں خداوند تعالی کا عذاب آتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالی فرماتا ہے: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا۔ قرآن اس واقعہ کو اس طرح نقل کرتا ہے: وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (ہود 85) ترجمہ: " اور اے میری قوم! انصاف سے ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔"

ان کی قوم نے کہا: قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (ہود 87) ترجمہ: " انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ باپ دادا پوجتے تھے یا اپنے مالوں میں اپنی خواہش کے مطابق معاملہ نہ کریں۔" جب

قوم باز نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کر دیا۔ (ہود 94)
دنیا میں جو مصیبتیں یا سختیاں آتی ہے ان میں بعض مصیبتیں انسانوں کے اعمال کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ظَهَرَ الْفَسادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِما كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذيقَهُمْ بَعْضَ الَّذي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُون (روم 41) ترجمہ: "خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تاکہ وہ باز آجائیں۔" اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض معاشی مصیبتیں بھی خود انسانوں کے اعمال کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔
یہاں ہم چند ایک الٰہی سنّتیں ذکر کریں گے جو قرآن نے بیان کی ہیں۔ جن کا تعلق انسان کے اپنے اعمال سے ہے، یعنی وہ اعمال جن کا انسان کی معاش پر مثبت یا منفی اثر پڑتا ہے۔

معاشیات کے میدان میں مثبت تاثیر والی سنتیں

1. دینداری سے برکات کا نازل ہونا

دینداری سے مراد انسان کا اپنے ضرر یا نفع ہر دو صورتوں میں دین کی اتباع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق عمل کریں تو ان کے رزق میں اضافہ ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقامُوا التَّوْراةَ وَ الْإِنْجيلَ وَ ما أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ (مائدہ 66) ترجمہ: "اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (زمین اور آسمان کی تمام برکات) کھاتے، ان میں سے کچھ لوگ معتدل ہیں۔"
تورات اور انجیل سے مراد دو آسمانی کتابیں ہیں جو بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی اصلی شکل میں نازل ہوئیں، نہ کہ موجودہ تحریف شدہ تورات اور انجیل۔ ما أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ سے مراد وہ کتابیں ہیں جو تورات اور انجیل کے بعد دوسرے انبیاء پر نازل ہوئیں، جیسے: مزامیر حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی، جسے قرآن نے زبور کہا ہے وغیرہ۔ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ سے مراد زمین اور آسمان کی مطلّقا نعمتیں ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانا ہے، فائدہ چاہے کھانے کے طریقے سے ہو یا کسی دوسرے طریقے سے۔ عربوں کی لغت میں کھانے سے مراد مطلق تصرف اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانا رائج ہے، یہ جو کہا کہ اگر اہل کتاب جو احکامات ان کے پاس تھے اس پر عمل کرتے تو اوپر، نیچے سے رزق کھاتے، کنایۃ کہا یعنی ہر جگہ سے انہیں رزق ملتا۔[8]
توجہ رہے کہ کتاب پر عمل کرنا اور رزق کا زیادہ ہونا قرآن کی رو سے کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جب

بھی لوگ خداوند تعالیٰ کے احکامات پر عمل کریں گے ان کے رزق میں فراوانی ہو گی۔

2. توکل کرنے سے رزق کا ملنا

قرآن کی رو سے جو انسان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کے رزق کا خود بندوبست کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَی اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق 3) ترجمہ: " اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہی اس کو کافی ہو جاتا ہے۔" ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَ ما عِنْدَ اللهِ خَیْرٌ وَ أَبْقی لِلَّذینَ آمَنُوا وَ عَلی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُون (شوریٰ 36) ترجمہ: "اور جو بھی خداوند تعالیٰ کے پاس ہے، جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں، بہتر اور پائدار ہے۔" البتہ توجہ رہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل، اپنے خاص مفہوم کے ساتھ کرنا ہے۔
مذکورہ آیات کی روشنی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور توکل، انسان کی معاشی زندگی پر اثرانداز ہے۔ توکل سے مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ انسان کوسعی اور کوشش نہ کرے، بلکہ انسان اپنی پوری سعی اور کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے، توکل طبیعت کے قوانین کے مطابق ہو۔

3. تقویٰ اختیار کرنے سے آسمانی برکات کا نازل ہونا

قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی ایک اور سنت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ، زمین اور آسمانوں کی برکات کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُری آمَنُوا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنا عَلَیْهِمْ بَرَکاتٍ مِنَ السَّماءِ وَ الْأَرْضِ وَ لکِنْ کَذَّبُوا فَأَخَذْناهُمْ بِما کانُوا یَکْسِبُون (اعراف 96) ترجمہ: "اور اگر بستیوں والے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین اور آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔"
مذکورہ آیات کا مفہوم بہت واضح ہے کہ اگر کسی بستی یا جامعہ کے لوگ ایمان کے ساتھ تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ حتماً اس پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتا۔ لَفَتَحْنا میں لام تاکید کے لیے آئی ہے اور لو ، کے جواب میں آئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلا جملہ (لوگ ایمان اور تقویٰ لائے) صادق آیا تو دوسرا جملہ (ہم کھولیں گے۔۔۔) صادق آئے گا۔ اس مطلب کی تائید میں ایک دوسری آیت میں فرمایا: مَنْ یَتَّقِ اللهَ یَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً وَ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لا یَحْتَسِبُ (طلاق 2-4) ترجمہ: "جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، خداوند تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ نکال دے گا، اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں اسے گمان بھی نہیں ہو گا۔"

4. شکر کرنے سے نعمتوں کا بڑھنا

قرآنی آیات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے سے، نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: إِذْ تَأَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزیدَنَّکُمْ (ابراہیم 7) ترجمہ: " البتہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو

اور زیادہ دوں گا۔" آیت میں شکر مطلق آیا ہے، شکر زبانی، شکر قلبی اور شکر عملی تینوں کو شامل ہے۔ شکر زبانی سے مراد خداوند تعالی کی نعمتوں کی تعریف کرنا۔ جیسے الحمد للہ کہنا **شکر قلبی** سے مراد یہ ہے کہ انسان تمام نعمتوں کو خداوند تعالی کی طرف سے جانے۔ **عملی شکر** جو عبادت کرنے اور اپنی جان و مال کو خداوند تعالی کی خوشنودی اور لوگوں کی خدمت میں خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔[9] جو نعمت اللہ تعالیٰ نے دی اسے اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی رضامیں خرچ کرنا یاایک نعمت کے بدلے میں ایک نیک عمل یا عبادت انجام دینا ہے۔[10]

خداوند تعالی نے اس سنت کو بھی جملہ شرطیہ کی صورت میں بیان کیا ہے، جس کامطلب یہ ہے کہ جب بھی شرط (شکر گزاری) محقق ہو گی، تو جواب شرط محقق ہو گا۔

5. خداوند تعالی کی راہ میں انفاق سے رزق میں اضافہ ہونا

قرآن کی آیات کی روشنی میں خداوند تعالی کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رزق بڑھتا ہے۔اگر عام مادی نگاہ سے دیکھا جائے تو ظاہراً لگتا ہے کہ خداوند تعالی کی راہ میں مال خرچ کرنے سے مال کم ہوتا ہے۔جب کہ الٰہی تعلیمات کی روشنی میں خداوند تعالی کی راہ میں انفاق سے رزق بڑھتا ہے، سورۃ بقرہ کی 261 آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ........ ترجمہ: "ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ جو سات بالیں اگائے ہر بال میں سو سو دانے، اور اللہ تعالیٰ جس کے واسطے چاہے بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت جاننے والا ہے۔" اسی طرح بقرہ کی 265 آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ــــــــ ترجمہ: اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اپنے دلوں کو مضبوط کرکے خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جس طرح بلند زمین پر ایک باغ ہو اس پر زور کا مینہ برسا تو وہ باغ اپنا پھل دوگنا لایا۔

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے مثالوں کے ذریعہ یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ انفاق سے رزق کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے، اور یہ کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق کریں گے ان کے اموال رشد کریں گے۔

6. قرض دینے سے مال کا بڑھنا

اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے جسے خداوند تعالی نے انسانوں کے اعمال سے وابستہ کیا ہے کہ جو شخص خداوند تعالی کی خاطر کسی دوسرے کو قرض دے گا خداوند تعالی اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔ سورۃ بقرہ کی 245 آیت میں خداوند تعالی فرماتا ہے: مَنْ ذَا الَّذِى يُقْرِضُ اللهَ قَرْضاً حَسَناً فَيُضاعِفَهُ لَهُ أَضْعافاً كَثِيرَةً وَ اللهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ترجمہ: "ایسا کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا

بڑھا کر دے؟ خداوند تعالیٰ اس آیت میں قرض دینے کی طرف تشویق کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو شخص میرے بندے کو قرض دے گا گویا وہ قرض اس نے مجھے دیا ہے۔ اس قرض کے بدلے میں، میں خدا سے کئی گنا بڑھا کر واپس کروں گا۔"

اس سنت کو بھی اللہ تعالیٰ نے جملہ شرطیہ میں بیان کیا ہے کہ جو شخص بھی کسی دوسرے کو قرض دے گا، گویا اس نے خداوند تعالی کو قرض دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس قرض کا بدلہ کئی گنا بڑھا کر دے گا۔

7. شادی کرنے سے رزق کا بڑھنا

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے شادی کرنے سے رزق کے بڑھنے کو ایک سنت کے طور پر متعارف کروایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ أَنْكِحُوا الْأَيَامى مِنْكُمْ وَ الصَّالِحِينَ مِنْ عِبادِكُمْ وَإِمائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَراءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ اللهُ واسِعٌ عَلِيم (نور 32) ترجمہ: "اور جو تم میں مجرّد ہوں اور جو تمہارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں سب کے نکاح کرا دو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا سب کچھ جاننے والا ہے۔" آیت کا مفہوم یہ ہے کہ غیر شادی شدہ افراد، شادی کے مسئلہ میں غربت سے نہ ڈریں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جو شخص شادی کرتا ہے، شادی کی وجہ سے اس کا رزق تنگ نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان کر دیا کہ اگر کوئی فقیر شادی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے گا۔

8. خداوند تعالیٰ سے بخشش طلب کرنے سے برکات کا نازل ہونا

خداوند تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بندے اس سے سچے دل سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمانی برکات کو نازل کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كانَ غَفَّاراً يُرْسِلِ السَّماءَ عَلَيْكُمْ مِدْراراً وَ يُمْدِدْكُمْ بِأَمْوالٍ وَ بَنِينَ.. (نوح 10- 12) ترجمہ: "پس میں نے کہا: اپنے رب سے بخشش مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تم پر (موسلا دھار) بارش برسائے گا۔ اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنادے گا اور تمہارے لیے نہریں بنادے گا۔" يُرْسِلِ السَّماءَ سے مراد اوپر والی طرف ہے جہاں سے بادل ہوا کے ساتھ آتے ہیں۔ عَلَيْكُمْ مِدْراراً یعنی ایک کے بعد دوسرے، ندیاں، نہریں، چشمے، حوض پانی سے بھر جائیں گے، پودے اگیں گے، درخت پھل دیں گے اور موسم خوش گوار ہو جائے گا۔[11]

اس آیت میں بارش کے نزول، اموال اور اولاد کی زیادتی کی علت، استغفار بیان کی گئی ہے۔ البتہ توبہ ایمان کے ساتھ، عذاب نازل ہونے سے پہلے اور شرائط کے ساتھ ہو۔[12]

9. صبر اور استقامت کرنے سے رزق میں اضافہ ہونا

استقامت سے مراد سیدھے راستے پر ہونا اور صحیح راستے پر ثابت قدم رہنا ہے۔[13] قرآنی آیات کی رو سے اگر انسان خداوند تعالی کی راہ میں صبر اور استقامت اختیار کرتا ہے تو خداوند تعالی اس کی روزی میں اضافہ کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ أَنْ لَوِ اسْتَقامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْناهُمْ ماءً غَدَقا (جن 16) ترجمہ: "اور اگر وہ (مکہ والے) راستے پر سیدھے رہتے تو ہم انھیں ضرور بہت وافر پانی پلاتے۔" اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے جملہ شرطیہ کے ذریعہ یہ بیان کر دیا کہ اگر لوگ سیدھا راستے پر قائم رہتے تو اللہ تعالیٰ انہیں وافر پانی دیتا۔ غَدَقًا کا معنی کثیر ہے۔ وافر پانی سے مراد وافر رزق ہے، کیونکہ زمین سے حاصل ہونے والی تمام برکات بارش ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔[14] ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا (اعراف 137) ترجمہ: "اور ہم نے ان لوگوں کو وارث کر دیا جو اس زمین کے مشرق و مغرب میں کمزور سمجھے جاتے تھے کہ جس میں ہم نے برکت رکھی ہے، اور تیرے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے باعث پورا ہو گیا۔"

مذکورہ آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر صبر سے کام لوگے تو انہیں زمین کا وارث بنایا جائے گا اور ان کے رزق میں برکت دی جائے گی۔

10. سعی اور کوشش سے رزق کا ملنا

اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا رزق اس کی سعی کے مطابق دیتا ہے۔ انسان کو اس دنیا میں وہی نصیب ملتا ہے جو اس نے تلاش اور کوشش کی ہے: لِلرِّجالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا، وَ لِلنِّساءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ، وَ سْئَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ (نساء 32) ترجمہ: "مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے، اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو۔" اگر کوئی انسان کوشش نہ کرے تو خداوند تعالی بھی اس کی مدد نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (رعد 11) ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔" اللہ تعالیٰ کی یہ ایک عمومی سنت ہے کہ انسان جب تک خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتا، خداوند تعالی بھی اس کی زندگی میں مثبت تبدیلی نہیں لاتا۔" اس آیت کی روشنی میں یہ اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، کہ جو شخص جتنی کوشش کرے گا، اس کا نصیب اس دنیا میں اتنا ہی ہوگا۔

11. انسان کی معاشی آزمائش کرنا

خداوند تعالی کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں دی ہیں ان میں کمی یا زیادتی کرکے انسانوں کو آزماتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (بقرہ 155) ترجمہ: "اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔" وَ أَمَّا إِذا مَا ابْتَلاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهانَنِ (فجر 16) ترجمہ: " لیکن جب اسے آزماتا ہے پھر اس پر اس کی روزی تنگ کرتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔" خداوند تعالی رزق میں تنگی اور کشائش مصلحت کے مطابق انجام دیتا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: انّ من عبادی من لا یصلحه الا الغنی فان افقرته لافسده ذلك و ان من عبادی من لا یصلحه الا الفقر فان اغنیته لافسده. ذلك فمن لم یرض بقضایی و لم یصبر علی بلائی فلیطلب ربّا سوای و لیخرج من ارضی و سمائی[15] ترجمہ: "میرے بندوں میں سے ایسا ہوتا ہے کہ اسے غنی کرنا بہتر ہوتا ہے، کیوں کہ اگر اسے فقیر کروں تو فساد کرے گا اور میرے بندوں میں سے کوئی ایسا ہے جس کی اصلاح صرف اسے فقیر کرنے سے ہو سکتی ہے، چونکہ اگر اسے غنی کروں تو فساد کرے گا۔ اس وجہ سے جو میری قضا پر راضی نہ ہو، میری دی ہوئی مصیبت پر صبر نہ کرے تو اسے چاہیے کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا رب تلاش کرے اور میری زمین سے نکل جائے۔"

معاشیات کے میدان میں منفی پہلو والی سنتیں

منفی پہلو والی سنتوں سے مراد، انسان کے وہ اعمال ہیں جن کو انجام دینے سے نعمتیں سلب ہوتی ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ قرآن کی رو سے وہ سنتیں درج ذیل ہیں:

1. ناشکری کی وجہ سے نعمتوں کا چھن جانا

معاشیات کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ مثال کے ذریعہ اس سنت کو بیان کرتا ہے: قَرْيَةً كانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيها رِزْقُها رَغَداً مِنْ كُلِّ مَكانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللهِ فَأَذاقَهَا اللهُ لِباسَ الْجُوعِ وَ الْخَوْفِ بِما كانُوا يَصْنَعُون (نحل ۱۱۲) ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جہاں ہر طرح کا امن چین تھا اس کی روزی بافراغت ہر جگہ سے چلی آتی تھی پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی پھر اس بستی والوں نے اللہ تعالیٰ نے ان کے برے کاموں کے سبب سے جو وہ کیا کرتے تھے یہ مزہ چکھایا کہ ان پر فاقہ اور

خوف چھا گیا۔" سورہ ابراہیم کی 7 نمبر آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ترجمہ: "اور اگر ناشکری کروگے تو یقینا میرا عذاب بھی سخت ہے۔"

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے جملہ شرطیہ کے ذریعہ بیان کیا کہ اگر تم ناشکری کروگے تو یقینا میں عذاب دوں گا۔

2. مستحقین کا حق نہ دینے سے معاشی زوال آنا

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اموال میں فقیروں اور مسکینوں کا حق رکھا ہے۔قرآنی آیات کی رو سے فقیروں اور مسکینوں کا حق ادا نہ کرنے سے خداوند تعالی اموال سے برکت چھین لیتا ہے اور انسان کی معاشیات کو نابود کرتا ہے۔ قرآن میں خداوند تعالی نے مختلف جگہوں پر اس بات کو بیان کیا ہے ان میں سے اصحاب جنت کے قصّہ کو خداوند تعالی یوں بیان کرتا ہے کہ اصحاب جنت نے اس وجہ سے اپنے باغ کے سارے میوہ جات کو درختوں سے چن لیا تاکہ صبح کے وقت جب فقیر لوگ آئیں تو انہیں دینے کے لیے کچھ نہ ہو۔ فقیروں کو ان کے حق سے محروم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت ہی ان کے باغ کو تباہ کر دیا: إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ...... (قلم 17- 20) ترجمہ: "بے شک ہم نے ان کو آزمایا ہے جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا، جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور صبح ہوتے ہی اس کا پھل توڑ لیں گے۔ اور ایک میوہ بھی نہ چھوڑیں گے، پھر تو اس پر رات ہی میں آپ کے رب کی طرف سے ایک جھونکا چل گیا اس حال میں کہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ پھر وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔"

3. اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی سے رزق کا تنگ ہونا

قرآنی تعلیمات کی رو سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی کرنے سے انسان کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا (طہ 124) ترجمہ: " اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اسے قیامت کے دن اندھا کرکے اٹھائیں گے۔"

آیت میں ذکر سے اعراض علت ہے، زندگی تنگ ہونے کی، یہاں معیشت کی تنگی سے مراد مالی تنگی نہیں، بلکہ زندگی میں ہر قسم کی تنگی مراد ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص بہت زیادہ اموال رکھتا ہو لیکن حرص کی وجہ سے قانع نہ ہو، یا کسی مرض میں مبتلا ہو جائے یا کسی اور مشکل کی وجہ سے اس کی زندگی کی لذت اس سے چھن جائے۔

نتیجہ

قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ نے دو طرح کی سنّتیں قرار دی ہیں، ایک وہ سنّتیں ہیں جن کا انسان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسے: سنت رحمت كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام: 54) " اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو

واجب قرار دیا ہے۔" سنت استدراج یعنی خداوند تعالی ایک ہی دفعہ عذاب یا انعام نہیں دیتا بلکہ آہستہ آہستہ اور وقت گزرنے کے ساتھ پاداش اور انعام دیتا ہے، یا سنت آزمائش وغیرہ ہے۔ بعض سنتیں ایسی ہیں، جو انسان کے اعمال سے وابستہ ہیں، جن کا خارج میں واقع ہونا انسان کے اعمال سے وابستہ ہے، جیسے: تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی برکات کا نازل ہونا ہے: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (اعراف: 96) ترجمہ: " اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے نعمتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

اللہ تعالیٰ کی یہ سنتیں مثبت تاثیر بھی رکھتی ہیں اور منفی تاثیر بھی رکھتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ تعالیٰ نے دونوں قسم کی سنتوں کو جملہ شرطیہ میں بیان کیا ہے یا تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ جب بھی ان سنتوں سے مربوط اعمال انجام دیے جائیں گے ان کے نتائج قطعی ہیں۔ جو سنتیں معاشیات کے میدان میں مثبت تاثیر رکھتی ہیں، ان میں خداوند تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق عمل کرنے سے رزق اور روزی میں اضافہ ہونا، خداوند تعالیٰ پر توکل کرنے سے خداوند تعالیٰ کا رزق کے معاملے میں کافی ہونا، تقویٰ اختیار کرنے سے برکات کا نازل ہونا، شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہونا، انفاق سے رزق کا بڑھنا، قرض دینے سے مال میں اضافہ ہونا، شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ کا غنی کرنا، وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ سعی اور کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا رزق ملے گا اور اتنا ملے گا جتنی سعی اور کوشش کی ہے، معاشی آزمائش کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، جسے خداوند تعالی بندوں کی مصلحت کے مطابق انجام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کچھ سنتیں منفی تاثیر بھی رکھتی ہیں، جیسے ناشکری، مستحقین کا حق نہ دینے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی سے اللہ تعالیٰ نعمتوں کو واپس لے لیتا ہے۔

*****

References

1. Ahmad Moradkhani, Tehrani, *Sunnat Hayi Ejtamai Elahi Dur Qur'an*, (Qom, Markaz Bahn al-Mulali Tarjma wa Nasher al-Mustafa(PBUH), 1394 SH), 85.

احمد مراد خانی، تہرانی، سنت ہای اجتماعی الٰہی در قرآن، (قم، مرکز بین المللی ترجمہ و نشر المصطفیٰ (ص)، 1394 ش۔ه)، 85۔

2. Ibid, 95.

ایضاً، 95۔

3. Ibid,95, Abdullah, Baharloui, "Bar Shumari Sunnat Hayi Elahi dur Qurian", Majala Shamim Yas Khordad, Issue 39, (1385 SH), 14. (Accessed April, 18, 2024)..
https://hawzah.net/fa/Magazine/View/3674/6126/65036/%D8%A8%D8%B1%D8%B4%D9%85%D8%A7%D8%B1%DB%8C-%D8%B3%D9%86%D8%AA-%D9%87%D8%A7%DB%8C-%D8%A7%D9%84%D9%87%DB%8C-%D8%AF%D8%B1-%D9%82%D8%B1%D8%A2%D9%86

ایضاً، 95، عبداللہ، بہارلوئی، "بر شماری سنت ہای الٰہی در قرآن"، مجلّہ شمیم یاس خرداد، شمارہ39، (1385): 14۔

4. Ibid, 95.

ایضاً، 95۔

5. Naser Makarem, Shirazi, *Tafseer-e-Namona*, Vol. 13, (Tehran, Dar al-Kutub al-Islamiya, 1374 SH), 516.

ناصر مکارم، شیرازی، تفسیر نمونہ، ج13، (تہران، دار الکتب الاِسلامیۃ، 1374ه.ش)، 516۔

6. Mohammad Javad, Najafi Khomeini, *Tafseer Asan*, Vol. 12, (Tehran, Intasharat Islamiyah, 1398 SH), 381.

محمد جواد، نجفی خمینی، تفسیر آسان، ج12، (تہران، انتشارات اسلامیہ، 1398 ه.ق)، 381۔

7. Ahmad Ali, Babaei, *Gazida Tafseer-e-Namona*, Vol. 3, (Tehran, Dar al-Kitab al-Islamiya, 1382 SH), 193.

احمد علی، بابایی، گزیدہ تفسیر نمونہ، ج3، (تہران، دار الکتب الاسلامیہ، 1382ق)، 193۔

8. Syed Muhammad Baqir, Mousavi Hamdani, *Tarjma al-Mizan*, Vol. 6, (Qom, Daftar Intasharat Islami Jamiai Muderseen Hoza Elmia, 1384 SH), 53-54.

سید محمد باقر، موسوی ہمدانی، ترجمہ المیزان، ج6، (قم، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ، 1384ھ۔ش)، 54-53۔

9. Mohsen, Qaraati, *Tafseer-e-Noor*, Vol. 9, (Tehran, Markaz Farangi dar Sahi az Qur'an, 1383 SH), 390.

محسن، قرائتی، تفسیر نور، جلد9، (تہران، مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن، 1383ش)، 390۔

10. Syed Abdul Hossein, Tayyab, *Tayyeb Bayan fi Tafsir al-Qur'an*, Vol.7,(Tehran, Intasharat Islam, 1378 SH), 364.

سید عبدالحسین، اطیب، اطیب البیان فی تفسیر القرآن، ج7، (تہران، انتشارات اسلام، 1378ھ.ش)، 364۔

11. Ibid, Vol.13, 208.

ایضاً، ج13، 208۔

12. Ibid.

ایضاً۔

13. Raghab Esfahani, Hossein bin Muhammad, Al-Qur'an Vocabulary, Damascus, Dar-ul-Al-Dar al-Shamia, 1412 AH), 474.

راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن، (دمشق، دار العلم-الدار الشامیۃ، سال 1412ق)، 474۔

14.[https://shamilaurdu.com/quran/tarjumah-bhutvi/tafseer-ul-quran-al-kareem/5533/.](https://shamilaurdu.com/quran/tarjumah-bhutvi/tafseer-ul-quran-al-kareem/5533/)

15. Syed Abdul Hossein, Tayeb, Vol. 8, *Atyab Bayan fi Tafsir al-Qur'an*, (Tehran, Intasharat, 1378 SH), 155.

اطیب، سید عبدالحسین، ج8، اطیب البیان فی تفسیر القرآن، (تہران، انتشارات اسلام، 1378ھ.ش)، 155۔

تیسری صدی ہجری تک کے شیعہ سیرت و تاریخ نویس

Shia Biographers & Historians up to the 3rd Century(AH)

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Rasool Jafirian
Professor Rasool Jafarian, Qum, Iran.
E-mail: mohsinkhalid53@gmail.com

Translation By:
Syed Abu Raza
Lecturar Jamia Al Raza, Bara Khau, Islamabad.
E-mail: Noor.marfat@gmail.com

Abstract:

This article is a continuation of the series of articles taken from the book "Political History of Islam - Biography of Rasool Khuda"(PBUH) by the famous researcher and historian, professor Rasool Jafarian. In the previous articles, the historical mentality and legacy of the Arabs before the emergence of Islam, the historiography of Muslims after the emergence of Islam and its types, as well as the biographical works of the Muslim writers has been narrated from the viewpoint of professor Rasool Jafarian.

In the same way, a complete introduction to the compilations of the great biographers from the beginning of Muslim biographies to Aban Ibn Uthman, an important biographer of the 2nd century, has been presented. Along with this, a detailed research discussion has also been presented on the causes and factors of distortion in the biography of Muslims.

In the present paper, the role of the Shiites in the historiography of the Muslims has been highlighted. The author has introduced more or less 50 historical works of Shia historians. In the same way, he has presented an introduction to 20 Shia books on biographical writing along with reviewing the biography and history of the Prophets and the Holy Prophet(PBUH).

At the end of this paper, two major types of historiography are introduced, namely "monograph" and "continuous historiography". Addopting the fisrst type, each monograph was specificed to a single topic and Abu Makhnaf, Madani and Kalbi were the historians attributed to this type. While the latter is described as the method adopted in the 3rd and 4th centuries by historians such as Caliph Ibn Khayat, Ya'qubi, Dinuri, and Tabari. At the end of this paper, a detailed introduction to the works of Mr. Lut bin Yahya bin Saeed bin Makhnaf, known as "Ibn Makhnaf", a well-known and outstanding Shia biographer and historian, is presented.

Key words: Biography, Biographer, History, Historiography, Shia historians, Shia biographers, Rasul Jafarian.

خلاصہ

پیش نظر مقالہ معروف محقق و مؤرخ، استاد رسول جعفریان کی کتاب "تاریخ سیاسی اسلام-سیرتِ رسول خداﷺ" [1] سے ماخوذ سلسلہ مقالات کا تسلسل ہے۔ سابقہ مقالات میں ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کی تاریخی ذہنیت اور تاریخی میراث، ظہورِ اسلام کے بعد مسلمانوں کی تاریخ نگاری اور اِس کی اقسام، نیز سیرت اور سوانح نگاری پر استاد رسول جعفریان کی تحقیقات پیش کی جاچکی ہیں۔[2] اسی طرح مسلمانوں کے ہاں سیرت نگاری کے آغاز سے لے کر دوسری صدی کے ایک اہم سیرت نگار ابان ابن عثمان تک کے عمدہ سیرت نگاروں کی تالیفات کا مکمل تعارف پیش کیا جاچکا ہے۔[3] اس کے علاوہ، مسلمانوں کے ہاں سیرت میں تحریف کے اسباب و عوامل پر تفصیلی تحقیقی بحث بھی پیش کی جاچکی ہے۔[4]

پیش نظر مقالہ میں مسلمانوں کے ہاں تاریخ نگاری میں اہلِ تشیّع کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنف نے شیعہ تاریخ نویسوں کے کم و بیش 50 تاریخی آثار کا تعارف کروایا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اہل تشیع کے ہاں انبیاء علیہم السلام اور نبی کریم ﷺ کی سیرت و تاریخ کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ سیرت نویسی پر 20 شیعی کتب کا تعارف پیش کیا ہے۔

اس مقالہ کے آخر میں تاریخ نگاری کی دو عمدہ اقسام یعنی "مونو گراف" اور "رائج اور متواتر" تاریخ نگاری کا تعارف پیش کیا ہے جن میں سے پہلی قسم میں ہر مونو گراف کو ایک خاص موضوع کے ساتھ مختص کر دیا جاتا

تھا۔ ابومخنف، مدنی اور کلبی جیسے مورخین نے تاریخ نگاری میں اسی روش کو اپنایا۔ تاریخ نگاری کی دوسری قسم کو تیسری اور چوتھی صدی میں اپنایا جانے والا طریقہ قرار دیا ہے جسے خلیفہ ابن خیاط، یعقوبی، دینوری، اور طبری جیسے مورخین نے اپنایا ہے۔ پیش نظر مقالہ کے آخر میں ایک معروف اور برجستہ شیعہ سیرت و تاریخ نگار جناب لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف، المعروف بہ "ابن مخنف" کے آثار کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔[5]

کلیدی کلمات: سیرت، سیرت نگار، تاریخ، تاریخ نگاری، شیعہ مورخین، شیعہ سیرت نگار،، رسول جعفریان۔

تاریخ پر شیعہ کتب

اسلامی تاریخ نویسی میں شیعوں کا بہت بڑا حصہ اور کردار ہے۔ یہ بات ابومخنف اور کلبی جیسے عراقی اور دوسرے شیعوں اور امامیہ مذہب رکھنے والوں کے بارے میں صادق آتی ہے۔اس بارے میں ہم صرف اشارہ کریں گے اور پھر شیعہ امامیہ مصنفین کی سیرت النبی پر لکھی جانے والی کتب پر بات کریں۔

اصبغ بن نباتہ ان قدیم شیعہ مصنفین میں سے ہیں جس نے مقتل امام حسین (علیہ السلام) پر کتاب لکھی ہے۔[6]
دوسرے شخص احمد بن عبیداللہ ثقفی ہیں۔ ان کی بعض کتابوں کے موضوعات ہیں: كتاب المبيضّة فى اخبار مقاتل آل ابى طالب، كتاب فى تفضيل بنى هاشم و ذم بنى امية و اتباعهم۔[7] اسی طرح محمد بن زکّریا بن دینار کی بعض کتابیں بحوالہ نجاشی درج ذیل ہیں:

الجمل الكبير، الجمل المختصر، صفين الكبير، مقتل الحسين،[8] كتاب النهروان، مقتل اميرالمؤمنين، اخبار زيد، اخبار فاطمه۔[9]

ایک اور شیعہ مصنف ابراہیم بن محمد ثقفی ہے۔ یہ پہلے تو زیدی مذہب کے پیروکار تھے بعد میں امامیہ ہو گئے۔ ان کی کچھ تاریخی کتابوں کے نام یہ ہیں: كتاب المبتدأ و المغازى و الردّة، اخبار عمر، اخبار عثمان، كتاب الدار[10]، الغارات (یہ کتاب موجود ہے) اخبار زيد، اخبار محمد نفس زکیہ اس کے بھائی اور ابراہیم۔[11]

جابر بن یزید جعفی کی کتب بھی انہی حالات و واقعات کے بارے میں ہیں: كتاب الجمل، كتاب صفين، كتاب النهروان، كتاب مقتل اميرالمؤمنين، كتاب مقتل الحسين۔[12]

علی بن حسن بن علی بن فضال کی بعض تاریخی کتب یہ ہیں: كتاب الدلائل، كتاب الانبياء، كتاب البشارات، و كتاب الكوفة۔[13]

عبد العزیز جلودی ازدی جن کا شمار بصرہ کے معروف شیعہ علماء میں سے ہوتا ہے ان کی بعض تاریخی کتابوں کے نام یہ ہیں: كتاب الجمل، كتاب صفين،[14] كتاب الحكمين، كتاب الغارات، كتاب الخوارج، كتاب ذكر على (عليه السلام) في حروب النبى، كتاب مآل الشيعة بعد على (عليه السلام)، أخبار التوابين و عين الوردة، أخبار المختار، أخبار على بن الحسين، أخبار أبي جعفر محمد بن على (عليه السلام)، أخبار عمر بن عبد العزيز، أخبار من عشق من الشعراء، أخبار قريش و الأصنام، كتاب طبقات العرب و الشعراء، كتاب خطب النبى (صلى الله عليه واله)، كتاب خطب عثمان، كتاب رسائل عمر، كتاب رايات الأزد، كتاب مناظرات على بن موسى الرضا (عليه السلام)۔[15]

احمد بن اسماعیل بن عبد اللہ بجلی قم کے علماء میں سے تھے ان کی بھی تاریخ پر کتابیں موجود ہیں۔ ان کی ایک اہم ترین کتاب کتاب العباسی ہے جس کے بارے میں نجاشی نے لکھا ہے: یہ عظیم کتاب ہے جو ایک ہزار ورق پر مشتمل ہے جس میں خلفاء اور عباسی حکمرانوں کے حالات و واقعات مذکور ہیں۔ میں نے اس میں امین کے واقعات دیکھے ہیں۔ یہ کتاب محمد بن حسن قمی کے پاس تھی اور اس نے تاریخ قم میں چار مرتبہ اس کا حوالہ دیا ہے۔[16]

علی بن احمد جوّانی نے بھی ایک کتاب "اخبار صاحب فخ "اور ایک کتاب "اخبار يحيى بن عبد الله بن حسن "کے موضوع پر لکھی ہے۔[17] قم کے نامور محدث احمد بن محمد بن خالد برقی کی سیرت کے بارے میں ایک کتاب المغازی ہے۔ ان کی تاریخ کے موضوع پر اور بھی کتب ہیں جیسے: كتاب الشعر و الشعراء، كتاب البلدان و المساحة، كتاب التاريخ، كتاب الانساب۔[18]

آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے دور کے ایک نمایاں اور مشہور مورخ ابان بن عثمان احمر بَجَلی ہیں اس پہلے بھی ہم نے ان کے بارے میں بات کی ہے۔ سیرت نگاری میں شیعہ اور سنی نقطہ نظر میں اختلاف کے لحاظ سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شیعہ رسول خداﷺ کی زندگی کو زیادہ تقدس کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پیغمبر اکرمؐ کی عصمت کو اس کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سنی تاریخ نگاری میں اگرچہ آنحضرتؐ کی زندگی کے بارے میں حیرت و استعجاب کی کیفیت پوری طرح سے موجود ہے، لیکن آپؐ کی عصمت کو تمام جہتوں سے مد نظر نہیں رکھا گیا۔ اس کی ایک مثال ابوالفضل مشاط کی تصنیف "زلة الانبياء" ہے[19] جو کہ سید مرتضی کی کتاب "تنزيه الانبياء" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔[20] ان دو مد مقابل افکار و نظریات کے بارے میں کتاب "معتقد الاماميه" کے شیعہ مصنف نے ساتویں صدی ہجری میں اطلاع دی ہے۔[21] تیسری صدی میں بھی، ایک اور

سنی عالم نے معاصی الانبیاء (انبیاء کرام کے گناہوں) کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، تاہم مشہور متکلم ابو منصور ماتریدی سمرقندی نے اس کا انکار کیا تھا۔[22]

سیرت نگاری پر شیعہ کتب

جہاں تک سیرت نبوی کا تعلق ہے تو یہ بات کہنا چاہیے کہ مغازی کی تعلیم آئمہ ھدیٰؑ کے کاموں میں سرفہرست رہی ہے۔ اس کا سب سے اہم ثبوت امام سجاد علیہ السلام کے ارشادات ہیں جنہوں نے فرمایا ہے: "کنا نعلم مغازی رسول اللہ کما نعلم السورة من القرآن"[23] ہم رسول اللہؐ کے مغازی کی بھی ایسے ہی تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن کی سورتوں کی تعلیم دیتے تھے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کی روایات میں بھی سیرت کے بارے میں کثیر روایات ملتی ہیں ان میں سے بہت ساری مکتوب ماخذ میں نقل ہوئی ہیں۔ بطور مثال، ابن اسحاق نے امام باقر علیہ السلام سے متعدد روایات اپنی سیرت میں بیان کی ہیں۔ ان میں سے کچھ مثالیں ابن سعد کی طبقات میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

شیعہ کتب میں، علی ابن ابراہیم قمی کی تفسیر تقریبا ایک چوتھائی انبیاء کی زندگی اور تاریخ سے متعلق خبروں پر تبصرہ ہے۔ اس کتاب میں جو کہ متعدد کتب کا خلاصہ ہے، اس میں ان تحریری کاموں سے استفادہ کیا گیا ہے جو تیسری اور چوتھی صدی میں دستیاب تھے۔ مثال کے طور پر تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں ابان بن عثمان کی کتاب المبعث و المغازی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تفسیر قمی ایک ایسی کتاب ہے جس کا سیرت کا حصہ تقریبا امام باقر اور امام صادق علیہما السلام سے منقولہ روایات پر منحصر ہے۔

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ تفسیر ابی الجارود کا اس میں درج ہونا ہے جس کی ساری اخبار امام باقر علیہ السلام سے منقول تھیں اور آیات کے شأن نزول کی مناسبت سے سیرت کی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے۔ ابوالجارود کی روایات باقی حصوں سے منفرد ہیں۔ اس کتاب کی تمام روایات کو علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں تاریخ نبینا کی جلدوں میں جگہ دی ہے۔ اس کا ایک اور نمونہ عبد اللہ بن میمون القداح کی کتاب مبعث النبی و اخبارہ (صلی اللہ علیہ و الہ) ہے، جس میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کی احادیث کے راوی وہ خود ہیں۔[24]

بہر حال، سیرت کی خبروں کی طرف آئمہ ہدیٰ علیہم السلام اور شیعوں کی توجہ کے یہ ثبوت ہیں۔ البتہ اسلام کی عمومی تاریخ بھی شیعوں کی دلچسپی کا مرکز رہی ہے۔

سیرت النبی پر موضوعاتی شیعہ کتب

یہاں ہم اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور وہ زیادہ تر موضوعاتی ہیں، میں سے کچھ کا

تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔وہب بن وہب کی کتاب صفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [25]

۲۔منذر بن محمد بن منذر کی کتاب وفود العرب الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ان کی دیگر کتب کچھ یہ ہیں: کتاب الجمل، کتاب صفین، کتاب النہروان، کتاب الغارات۔[26]

۳۔ابویعلی محمد بن حسن بن حمزة جعفری کی کتاب مسألة فی ایمان آباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[27]

۴۔شیخ مفید کی کتاب مسألة فی معرفة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[28]

۵۔شیخ صدوق کی کتاب زھد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب اوصاف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب فی معرفة فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و أمیرالمؤمنین و الحسن و الحسین علیھم السلام[29] نیز شیخ صدوق کی ایک اور کتاب، کتاب فی عبد المطلب و عبد اللہ و ابی طالب کے نام سے ہے۔[30]

۶۔علی بن بلال مہلبی الازدی کی کتاب البیان عن خیرة الرحمن فی ایمان ابی طالب و آباء النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔[31]

۷۔عبد اللہ بن میمون القداح کی کتاب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اخبارہ۔[32]

۸۔سلمہ بن الخطاب براوستانی اذدورقانی کی کتاب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[33]

۹۔جعفر بن احمد بن ایوب سمرقندی کی کتاب الرد علی من زعم ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان علی دین قومه قبل النبوة[34]

۱۰۔حسین بن اشکیب خراسانی کی کتاب الرد علی من زعم النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کان علی دین قومه۔[35]

۱۱۔ابوعلی احمد بن محمد بن عمار کوفی کی کتاب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان کی ایک اور کتاب بھی تھی جس کا عنوان تھا "ایمان ابی طالب"[36]

۱۲۔احمد بن محمد بن سعید سبیعی ہمدانی کی کتاب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و الصخرة و الراھب و طرق ذلك۔[37]

۱۳۔احمد بن محمد بن عیسی اشعری کی کتاب فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[38]

۱۴۔حسین بن علی بن سفیان بزوفری کی کتاب سیرة النبی و الائمة (علیھم السلام) فی المشرکین۔[39]

۱۵۔ حسین بن محمد بن علی الازدی کی کتاب الوفود علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[40]

۱۶۔ عبد العزیز جَلودی ازدی کی تین کتابیں نسب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اخبار الوفود علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[41]

۱۷۔ علی بن حسن بن علی بن فضال کی کتاب أسماء آلات رسول اللہ و أسماء سلاحه و کتاب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[42]

۱۸۔ احمد بن محمد بن خالد برقی کی کتاب المغازی۔[43]

۱۹۔ ابو محمد جعفر بن احمد بن علی قمی ابن الرازی کی کتاب المنبیء عن زھد النبی ابن طاووس نے اپنی چند کتب میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔[44]

۲۰۔ حسن بن خرزاد کی کتاب اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[45]

سیرہ نبوی اور شیعہ حلقے

بعد کے ادوار میں بھی سیرت نبوی شیعہ علمی حلقوں میں توجہ کا مرکز رہی ہے۔ لیکن یہ توجہ صرف سیرہ نبوی کے بارے میں معلومات کی حد تک نہ تھی، بلکہ زیادہ تر کلامی مباحث کے زاویے سے شیعہ کے مد نظر تھی۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

> "میں سنہ ۶۰۸ میں شیعہ مذہب کے فقیہ محمد بن معد علوی کے پاس گیا جس کا گھر بغداد میں دروازہ الدواب میں تھا۔ ایک شخص اس کے پاس واقدی کی مغازی پڑھ کر سنا رہا تھا۔ جب وہ واقدی سے نقل کرتے ہوئے لفظ فلان و فلان پر پہنچا جو ان افراد کی طرف اشارہ تھا جو جنگ احد کے میدان سے بھاگ گئے تھے۔ محمد بن معد نے مجھ سے کہا: اس سے مراد فلاں اور فلاں ہیں۔ میں نے انکار کیا تو اس نے کہا: صحابہ میں سے کوئی بھی اس مقام و منزلت پر نہیں ہے کہ اس کا نام نہ لینا ضروری ہو اور اس کی جگہ فلاں کے الفاظ استعمال کیئے جائیں۔ میں نے پھر بھی قبول نہ کیا، مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے سخت رنجیدہ ہوا ہے۔"[46]

چھٹی اور ساتویں صدی کے اوائل کے ایک مشہور شیعہ اسکالر اور مورخ ابن ابی طی کی کتابوں میں، ایک تین جلدوں پر مشتمل مغازی کی کتاب کا سراغ ملتا ہے، جو کہ بد قسمتی سے اس وقت ناپید ہو چکی ہے۔

شیعوں نے انبیاء کی تاریخ کے میدان میں بھی کاوشیں کی ہیں۔ بنیادی طور پر، اس میدان میں مسلمانوں کا تاریخی کام کتاب المبتدا کے عنوان سے ہوا ہے۔ اس اصطلاح میں ابتداء سے آخری پیغمبرؐ سے پہلے تک کی

انسانی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں، ابن عثمان احمر کی کتاب "المبتدا و المبعث و المغازی" ثابت کرتی ہے کہ اہل تشیع کے ہاں باقاعدہ طور پر ایسی اخبار و روایات لکھی جاتی رہی ہیں۔ البتہ اسی کتاب میں ایسی خبریں بھی شامل ہیں جو بعض اسرائیلی ذرائع سے ہیں اور ظاہر ہے وہ ناقابل اعتبار ہیں۔

شیعہ منابع میں تاریخ انبیاء کا حصہ بکھرے انداز میں لیکن وسیع پیمانے پر موجود ہے۔ علامہ مجلسی نے ان روایات کے مجموعے کو بحار الانوار کی گیارہویں سے چودہویں جلد میں بیان کیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر شیخ صدوق کی کتب، تفسیر علی بن ابراہیم قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر مجمع البیان اور اسی طرح کی دیگر کتب میں نقل ہوئی ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اس قسم کی کتابوں میں اہل سنت کی کعب الاحبار، عبد اللہ بن سلام اور بالخصوص وہب بن منبہ جیسے افراد سے منقولہ روایات کی بھی بھرمار ہے۔

ابن طاووس نے قصص الانبیاء نامی کتاب سے جو ان کے نزدیک محمد بن خالد بن عبد الرحمان برقی کی کتاب ہے، سے بھی کچھ باتیں "فرج المہموم" میں نقل کی ہیں۔[47] البتہ کسی اور نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ جو کتابیں باقی بچ گئی ہیں ان میں قطب الدین راوندی (متوفی 573ھ) کی کتاب قصص الانبیاء بھی ہے، جسے پروفیسر غلام رضا عرفانیان کی تحقیق کے ساتھ فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب میں، انبیاء کی تاریخ کے علاوہ رسول خداؐ کے معجزات کا ایک حصہ (باب 19 سے صفحہ 280 کے بعد) ہے اور آپؐ کے بعض حالات زندگی، شامل ہیں، جو کتاب کا بیسواں باب ہے اور اس لحاظ سے اس کو اہمیت دینی چاہئے۔

راوندی نے اپنے ذرائع کا حوالہ نہیں دیا، اور جن اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ زیر بحث مواد ایک معروف کتاب سے لیا گیا ہے۔ امکان ہے کہ اس کے بیسویں باب کا ایک اہم حصہ علی ابن ابراہیم قمی کی تفسیر سے لیا گیا ہے۔ راوندی کے بعد، سید نعمت اللہ جزائری (متوفی 1112) کی کتاب النور المبین فی قصص الانبیاء ہے جس میں صرف انبیاء کی داستانوں کو بیان کیا گیا ہے۔

تاریخ نگاری کے دو طرزِ نگارش

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مسلمانوں میں تاریخ نگاری کی روایت ایک مضبوط، متحرک اور وسیع روایت رہی ہے۔ اس علم نے اسلام سے پہلے کے ایام العرب، قرآنی قصص، اور حدیث کے علم کے زیر اثر تیزی سے نشو و نما پائی اور تاریخی واقعات کے اظہار کے لئے اس نے مذکورہ بالا تینوں علوم کے طریقوں کو مشترکہ طور پر منتخب کیا۔ کچھ نوشتوں میں تاریخ نے احادیث کے قالب میں ترقی کی اور بعض صورتوں میں حدیث کے طریقہ کار پر عمل کیے بغیر اسناد کا حوالہ دیئے بغیر اخبار کو پیش کیا۔

کام کے طریقہ کار کے حوالے سے جو بات نوٹ کی جانی چاہئے وہ یہ ہے کہ وقت کے دو مختلف مراحل میں تاریخی کتابوں کا وجود دو طرز پر عمل میں آیا۔ پہلا طریقہ پہلی صدی سے، دوسری صدی کے دوران اور کچھ معاملات میں تیسری صدی سے انتخاب کیا گیا تھا اور یہ تاریخی عنوانات کا ڈیزائن تھا۔ یہ ایک مونو گراف کی شکل تھی، ہر ایک خاص موضوع کے لئے مختص۔ اس طرح کے مونو گراف کے لئے منتخب کردہ عام عنوانات "اخبار"، "واقعہ"، "مقتل" اور اسی طرح کے تھے۔ یہ وہ طریقہ ہے جسے دوسری صدی میں ابو مخنف، مدنی اور کلبی جیسے مورخین نے منتخب کیا تھا۔
اس کے بعد کا طرز نگارش، ترقی یافتہ اور اعلی درجے کا تھا اور پہلی صدی کے آخر میں اور زیادہ تر تیسری اور چوتھی صدی میں متعارف کرایا گیا تھا، یہ تاریخی کتابوں کو عام اور متواتر تاریخ کی شکل میں لکھنا تھا۔ ان کتابوں میں خلفاء کی ترتیب سے یا سالوں کے حساب سے تاریخی امور پیش کیے گئے تھے۔ فطری طور پر ان کی تالیف میں بہت سارے مونو گراف استعمال کیے گئے تھے اور ان کے مندرجات کو عمومی تاریخ میں شامل کیا گیا تھا۔ دوسری نسل کے نامور مورخین میں خلیفہ ابن خیاط، یعقوبی، دینوری، اور آخر میں طبری شامل ہیں، جس نے بہت سارے مونو گراف سے استفادہ کرکے ایک عظیم تاریخ لکھی۔
واضح طور پر یہ دونوں طرز نگارش ایک دوسرے سے مختلف تھے اور ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور فوائد تھے۔ مونو گراف میں اٹھائے گئے بہت سارے جزوی موضوعات عام تواریخ میں کارآمد نہ تھے اور ظاہر ہے کہ بعد کے ادوار میں مونو گراف تحریروں کے خاتمے کے ساتھ، تاریخی علم کا خاص طور پر تہذیبی اور معاشرتی تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔
مدنی اور ابو مخنف کی کھوئی ہوئی مونو گرافوں پر ایک نظر ڈالیں تو اس ثقافتی سانحے کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس دور کے کچھ مورخین کا اپنا خاص انداز تھا۔ جیسے زبیر ابن بکر نے جس نے الموفقیات کی تالیف میں ایک خاص طریقہ اپنایا ہے۔ اسی طرح محمد ابن حبیب، جس نے اپنی کتاب المنمق والمحبر میں کسی بہانے سے بہت سے بکھرے ہوئے مونو گراف کو یکجا کر دیا تھا، ان کے مشمولات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مونو گراف کتنے اہم تھے۔

ابو مخنف (ح90- 157)، ایک برجستہ شیعہ سیرت و تاریخ نگار

لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف بن سُلَیم ازدی دوسری صدی ہجری کے نامور مورخین میں سے ہیں۔[48] اس کا شیعہ ہونا ثابت شدہ ہے اور اسی وجہ سے اصحاب حدیث نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے: وہ رافضی تھا اور صحابہ کی توہین کرتا تھا۔[49] ابن عدی نے لکھا ہے کہ وہ ایک انتہا پسند شیعہ تھا۔[50] اصحاب حدیث کے نزدیک اس کے متروک ہونے میں یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ وہ ایک اخباری اور مورخ تھے۔ ذہبی نے اسے

اخباری ہونے کی بناپر موثق نہیں سمجھا ہے۔[51]
اس کے برعکس ، علم رجال کے شیعہ ماہرین نے اس کی تائید کی ہے۔ نجاشی نے لکھا: ابو مخنف کوفہ میں شیخ الاصحاب تھے اور ان کی روایتوں پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس نے جعفر ابن محمد الصادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے۔[52] ان کے دادا مخنف ابن سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔[53] اور امام علی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ جنگ جمل میں امام علی علیہ السلام کے ساتھ ازد قبیلے کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے۔ اس کے بعد، وہ امامؑ کی طرف سے اصفہان کا حکمران بنے۔
ابو مخنف عراق کے حالات وواقعات میں خاص تجربہ رکھتے تھے۔[54] اور اس نے خطے کی بیشتر بڑی جنگوں پر مونو گراف تحریر کئے تھے۔ یہ مونو گراف زیادہ تر شیعہ خبروں ،کچھ خوارج کے تنازعات اور عبد الرحمٰن ابن محمد ابن اشعث کی بغاوت کے بارے میں تھے۔ ابن ندیم کی فہرست میں ان کی تحریروں پر ایک نظر ڈالنے سے اس کے تصنیفی سفر کا اندازہ ہوتا ہے۔[55] اس سفر میں تاریخ اسلام لے کر اموی دور کے اختتام تک کی تمام خبروں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس دور کے بیشتر اہم واقعات اس کے مونو گراف میں جداگانہ عنوانات کے تحت درج ہیں۔[56]
ابومخنف نے شیعہ ہونے کے باوجود روایات کو نقل کرنے میں ضروری وسعت قلبی کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے اہل سنت نے بھی ان سے روایات کو بیان کیا ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے ابن ابی الحدید نے اس کے شیعہ ہونے سے انکار کیا ہے۔[57] اس کی اس بات سے دوسروں نے اتفاق نہیں کیا ہے۔ ان سے مروی بہت ساری باتیں اپنی نوعیت کی منفرد باتیں ہیں اس لئے بہت اہم ہیں۔ طبری نے ان کی تحریروں سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے جو زیادہ تر کلبی کے طریق سے بیان ہوئی ہیں۔ طبری کی ابو مخنف سے نقل کردہ روایتوں کا مجموعہ ۵۸۶ روایتیں ہیں۔[58]
ابوالفراج اصفہانی نے بھی اس سے مقاتل الطالبیین میں اور اغانی میں بڑے پیمانے پر استفادہ کیا ہے۔[59]
اس کا سب سے قیمتی کام مقتل الحسین علیہ السلام ہے۔ طبری نے اس سے اکثر روایات بیان کی ہیں۔
بد قسمتی سے اس کی اصل کتاب اب موجود نہیں ہے۔[60] ابو مخنف سے منسوب مقتل الحسین علیہ السلام کے نام سے ایک فرضی نوشتہ جداگانہ طور پر کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے جس کا تاریخ طبری کے ساتھ موازنہ کرنے سے اس کے نادرست ہونے کی تصدیق ہوتی ہے؛[61] جیسے ان سے کتاب مقتل المختار اور کتاب المختار و ابن زیاد کو جعلی طور پر منسوب کیا گیا ہے جن کا مواد ابو مخنف سے نقل کردہ طبری کے مواد کے مطابق نہیں ہے۔[62] یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایک رسالہ مولد علی بن ابی طالب علیہ السلام کے موضوع پر ابو مخنف کے نام سے چھپ چکا ہے۔
ایسا لگتا ہے جیسے بعض تاریخی تحریریں بعد میں لکھ کر واقدی سے منسوب کی گئی ہیں (زیادہ تر فتوحات کے موضوع پر) اسی طرح کا کام ابو مخنف کے بارے میں بھی انجام دیا گیا ہے۔ زیر بحث کتاب مقتل الحسین کے بہت سارے

نسخے پچھلی صدیوں سے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں باقی اور موجود ہیں۔[63]
ان کی کتاب "الجمل" ان اہم تصنیفات میں سے ہے جس کے کچھ حوالوں کو ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور ان میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحاب کے کچھ اشعار بھی شامل ہیں جن میں وصایت کا لفظ آیا ہے۔[64] اس کے اور بھی بکھرے ہوئے کام ہیں جن کی فہرست سزگین نے ذکر کی ہے۔[65]
مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری «عصر الخلافۃ الراشدۃ» کتاب کے مصنف نے پہلے خلفاء کے دور سے متعلق ابومخنف سے منقولہ روایات کی فہرست تیار کرنے اور پھر ان پر تبصرہ کرنے کی کوشش کی ہے۔اس نے اپنی یہ کتاب اس رجحان کے ساتھ لکھی کہ طبری کی تاریخی تحریروں میں شیعہ رجحان پایا جاتا ہے۔ لہٰذا سنی نقطہ نظر سے یہ قابل اعتماد نہیں ہے۔اپنی کتاب کے تعارف میں اس نے ابومخنف کے اساتذہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے جن میں عراقی شیعہ مشہور شخصیات اور غیر شیعہ علماء شامل ہیں۔

*****

References

---

1. Rasool, Jafarian, *Tarikh-e Siyasi-e Islam, Seerat-e-Rasool-e Khuada*(PBUH), Vol. 1, (Qom, Moasasa-e-dr Rah-e Haq, 1366 SH), 68-79.

رسول، جعفریان، تاریخ سیاسی اسلام "سیرتِ رسول خدا ﷺ" ج1،(قم، موسسہ در راہ حق،1366ھ،ش)، 68-79۔

2. Rasool, Jafarian, "Historiography and Muslims", *Quarterly Noor-e Marfat,* Vol. 13, Issue 4, (2022): 83-98.

رسول، جعفریان، "مسلمان اور تاریخ نویسی" سہ ماہی نور معرفت، ج13، شمارہ4،(2022ء): 83-98۔

3. Rasool, Jafarian, "Biographical Writings: Since its Begninning to Abban bin Uthman (170 AH.), *Quarterly Noor-e Marfat*, Vol. 14, Issue 2, (2023): 22-52.

رسول، جعفریان، "سیرت نگاری: آغاز سے ابان ابن عثمان تک" ،سہ ماہی نور معرفت، ج14، شمارہ2،(2023ء،22-52)۔

4. Rasool, Jafarian, "Distortion in Biography", *Quarterly Noor-e Marfat,* Vol. 14, Issue 3, (2023), 90-109.

رسول، جعفریان، "سیرت میں تحریف"، سہ ماہی نور معرفت ج14، شمارہ3،(2023): 90-109۔

5. Rasool, Jafarian, *Tarikh-e Siyasi-e Islam, Seerat-e-Rasool-e Khuada*(PBUH), Vol. 1, (Qom, Moasasa-e-dr Rah-e Haq, 1366 SH), 79-87.

رسول، جعفریان، تاریخ سیاسی اسلام "سیرتِ رسول خدا ﷺ" ج1،(قم، موسسہ در راہ حق،1366ھ،ش)، 79-87 ۔

6. Ibid, 79; with reference to: Asadullah al-Mamqani, *Tanqih Al-Maqal*, Vol. 1, (Tehran, Al-Murtazawiyyah, nd.), 150.

ایضا، 79 بحوالہ: اسد اللہ المامقانی، *تنقیح المقال فی احوال الرجال*، ج1 (تہران، المرتضویۃ، سن ندارد)، 150۔

7. Ibid, 79; with reference to: Muhammad Ibn Ishaaq bn Nadeem, *Al-Fahrist Ibn Nadeem*, (Tehran, Tibbat-Tadjad, 1393 SH), 166.

ایضاً، 79 بحوالہ: محمد بن اسحاق، ابن ندیم، الفہرست ابن ندیم، (تہران، طبع تجدد، 1393ق)، 166۔

8. Ibid, 79.

ایضا، 79۔

یہ کتاب بہ روایت محمد بن سلیمان کوفی زیدی مذہب کے مجامع میں موجود تھی۔ اسی کتاب مناقب میں کوفی نے امیر المؤمنین علیہ الصلاۃ والسلام کے فضائل کے حوالے سے پچاس چیزیں ذکر کی ہیں جو زیادہ تر تاریخی نوعیت کی ہیں جو اس نے محمد بن زکریا بن دینار سے نقل کی ہیں۔ دیکھئے:

Al-Hafiz Muhammad bn Sulaiman Kufi Zaidi, *Manaqib al-Imam Ameer al-Mu'minin Ali bn Abi Talib Karram Allah Wajoho*, Vol. 1, (Qom, Majmah Ihya Al-Saqafata al-Islamiyah, 1312 SH), 12; Vol. 3, 177.

الحافظ، محمد بن سلیمان کوفی زیدی، *مناقب الامام امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ*، ج 1، (قم، مجمع احیاء الصقفات الاسلامیہ، 1312)، 12؛ ج3، 177)

9. Ibid, 79; with reference to: Ahmad bin Ali bin Ahmad Najashi al-Asadi al-Kufi, *Rijaal Al-Najashi*, Research: Al-Syed Musa al-Shabiri al-Zanjani, (nc., Antasharat-e-Islami, 1407 AH), 347.

ایضاً، 79 بحوالہ؛ احمد بن علی بن احمد نجاشی الاسدی الکوفی، *رجال النجاشی*، تحقیق: السید موسیٰ الشبیری الزنجانی (شہر ندارد، انتشارات اسلامی، 1407ق)، 347۔

10. Ibid, 80.

ایضا، 80۔

11. Ibid, 80, With reference to: Najashi, *Rijaal Al-Najashi*, 18; Ibid, 80; Ibn Hajar, al-Asqalani, *Lasaan Al-Mizaan*, Vol. 1 (Burit,, Mussisat al-Alami, 1390 SH), 103-102; Ibid, 80; Yaqut Hamwi, *Mujam al-Adaba*, Vol. 1 (Burit, Dar al-Fikr, 1400 AH), 233.

ایضاً، 80 بحوالہ: نجاشی، *رجال النجاشی*، 18؛ ابن حجر، العسقلانی، *لسان المیزان*، ج1، (بیروت، مؤسسہ الاعلمی، 1390ق)، 102 -103؛ یاقوت حموی، *معجم الادباء*، ج1، (بیروت، دار الفکر، 1400)، 233۔

12. Najashi, *Rijaal Al-Najashi*, 129.

نجاشی، *رجال النجاشی*، 129۔

13. Ibid, 80.

ایضاً، 80۔

14 ۔ابن طاوس نے اپنی کتاب "مہج الدعوات" میں اُن کی "کتاب صفین" سے دو دعائیں جو حضرت علی علیہ السلام نے جنگ صفین سے پہلے پڑھی تھیں، نقل کی ہیں۔ دیکھئے:

Ibid, 80, With reference to: Kitab Ibne Taous, 525.

ایضاً، 80 بحوالہ: کتابخانہ ابن طاوس، 525۔

15. Ibid, 80.

ایضا، 80۔

16. Ibid, 80.

ایضاً، 80، بحوالہ: کتابشناسی آثار مربوط بہ قم، ص 9۔ جن حوالہ جات کی طرف اشارہ ہوا ہے وہ تاریخ قم کے صفحات 145، 200، 236، 237 پر مذکور ہیں۔

17. Ibid, 80.

ایضاً، 80۔

18. Ibid, 80.

ایضاً، 80۔

19. Ibid, 81: Kitab Naqoz, 244.

ایضاً، 81 بحوالہ: کتاب نقض، ص 244۔

20. Ibid, 81.

ایضاً، 81۔

21. Ibid, 81: *Mitzvad al-Imamiat*, (Tehran, Chaap Danesh Pazhoh, 1339 SH), 47.

ایضاً، 81 بحوالہ: مقالہ نگار ندارد، *معتقد الامامیۃ*، (تہران، چاپ دانش پژوہ، 1339)، 47۔

22. Ibid, 81: Adbiyaat Farsi Astori, 725.

دیکھئے: ایضاً، 81 بحوالہ: ادبیات فارسی استوری، ص 725۔

23. Ibid, 81: With reference to: al-Jamia Lakhlaq al-Rawi, Vol. 2, 288; Ibid, 81: Ibn Kaseer al-Handbali, *al-Badiyat wa al-Nahiat*, Vol. 3 (Burit, Dar al-Kitab al- Ulamiya, 1409 AH), 242; Ibid, 81: Muhammad bn Yusuf al-Salihi al-Shami, *Subul al-Huda wal-Irshad fi Sirat Khair al-Abad*, Research: Dr. Mustafa Abdal Wahid, Vol. 5, (Cairo, np., 1392 SH), 60.

ایضاً 81 بحوالہ: ، *الجامع لاخلاق الراوی*، ج 2، 288؛ ابن کثیر الحنبلی، *البدایۃ والنہایۃ*، ج 3، (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1409)، 242؛ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، *سُبُل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد*، تحقیق: الدکتور مصطفیٰ عبدالواحد، ج 4، (قاہرہ، ناشر ندارد، 1392 ش)، 20۔

24. Ibid, 82.

ایضاً، 82۔

25. Ibid.

ایضاً،۔

26. Ibid.

ایضاً۔

27. Ibid.

ایضاً۔

28. Ibid.

ایضاً۔

29. Ibid.

ایضاً۔

30. Ibid.

ایضاً۔

31. Ibid.

ایضاً۔

32. Ibid.

ایضاً،۔

33. Ibid.

ایضاً۔

34. Ibid.

ایضاً۔

35. Ibid.

ایضاً۔

36. Ibid.

ایضاً۔

37. Ibid.

ایضاً۔

38. Ibid.

ایضاً۔

39. Ibid, 83.

ایضاً، 83۔

40. Ibid.

ایضاً۔

41. Ibid.

ایضاً۔

42. Ibid.

ایضاً۔

43. Ibid.

ایضاً۔

44. Ibid, 83, with reference to: Atan Gulbarg, Kitab Khana Ibn Tawoos wa Awaal wa Asaaro, Translate: Rasool Jafarian / Syed Ali Qarai, (Iran, Sadra, 1400 AH), 449-450.

ایضاً، 83 بحوالہ: اتان گلبرگ، کتابخانہ ابن طاووس واحوال واثار او، مترجم: رسول جعفریان / سید علی قرائی، (ایران، صدرا، 1400)، 449۔450۔

45. Ibid, 83.

ایضاً، 83۔

46. Ibid, 83, with reference to: Ibn Abi Al-Hadid, *Sherah Nahj al-Balaghah*, Research: Muhammad Abul Fazal Ibrahim, Vol. 15 (Egypt, Darahiya al-kitab al-0Arabiya, 1387 SH), 23-24.

ایضاً، 83 بحوالہ: ابن ابی الحدید، *شرح نہج البلاغہ*، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، ج 15، (مصر، داراحیاء الکتب العربیۃ، 1387ق)، 23-24۔

47. Ibid, 84, with reference to:Atan Gulbarg, Kitab Khana Ibn Tawoos wa Awaal wa Asaar-e ou, 486.

ایضاً، 84، بحوالہ: اتان گلبرگ، کتابخانہ ابن طاووس واحوال واثار او، 486۔

48۔ یہ عجیب بات ہے کہ یعقوبی نے مہدی عباسی دور (خلافت 158کے آخر) کے فقہاء میں ابو مخنف کا نام ذکر کیا)۔دیکھیں: Ahmad bn Muhammad bn Al-Yaqubi, *Tarikh al-Yaqubi*, Vol. 2, (Beirut, Darasadar, 1383 SH), 403.

احمد بن محمد بن واضح الیعقوبی، *تاریخ الیعقوبی*، ج 2، (بیروت، داراصادر، 1383)، 403۔

49. Ibid, 85, with reference to: Al-Asqalani, *Lasaan Al-Mizaan*, Vol. 4, 344.

ایضاً، 85، بحوالہ: العسقلانی، *لسان المیزان*، ج 4، 344۔

50. Ibid, 85, with reference to: 'Uddi, *Al-Kamil fi-Wasqa'a Al-Rijal*, Vol. 6, (Beirut, Darul-Fikr, nd.), Sh. 2110.

ایضا، 85، بحوالہ: ابن عدّی، الکامل فی ضعفاء الرجال، ج6، (بیروت، دارالفکر، سن ندارد)، ش2110۔

51. Ibid, 85, with reference to: Shams al-Din Zhahbi, *Mizan al-Aitdal*, Vol. 3, (Beirut, Dar al-Marafah, 1382 SH), 2992.

ایضا، 85، بحوالہ : شمس الدین ذہبی، میزان الاعتدال، ج3، (بیروت، دارالمعرفۃ، 1382)، ش2992

52. Ibid, 86, with reference to: Najashi, *Rijaal Al-Najashi*, 320.

ایضا، 86 بحوالہ: نجاشی، رجال النجاشی، 320۔

53. Ibid, 86, with reference to: Ibn Hanbal Shaybani, Ahmad, *Musnad Ahmad bn Hanbal*, Vol. 2, 4, 5, (Beirut, Darasadar, 1421 AH), 183, 215, 76; Ahmad bn Shuaib, Al-Nasa'i, *Sunan al-Nasa'i*, Vol. 7, (Riyadh, Dar al-Salaam Lil-Nasher wa altuzohzai, 2013), 167.

ایضا، 86 بحوالہ: ابن حنبل شیبانی، احمد، مسند احمد بن حنبل، ج2، 4، 5، (بیروت، دار صادر، 1421ق)، 183، 215، 76؛ احمد بن شعیب، النسائی، سنن النسائی، ج7، (الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، 2013)، 167۔

ان منابع میں نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کے معیار کے بارے میں روایتیں ہیں۔

54. Ibid, 86, with reference to: Yaqut Hamwi, *Mujam al-Adaba*, Vol. 17, 41; Ibn Nadeem, *Al-Fahrist Ibn Nadeem*, 106.

ایضا، 86 بحوالہ: یاقوت حموی، معجم الادباء، ج17، 41۔مدائنی ہم متخصص خراسان و ہند و فارس و واقدی حجاز و سیرہ۔ ابن ندیم، الفہرست، 106۔

55. Ibid, 86, with reference to: Ibn Nadeem, *Al-Fahrist Ibn Nadeem*, 105; Najashi, *Rijaal Al-Najashi*, 320.

ایضا، 86 بحوالہ: ابن ندیم، الفہرست، 105، ونک: نجاشی، رجال النجاشی، 320۔

56. Ibid, 86, with reference to: Shakir Mustafa, *Al Tarikh Al-Arabi wa Al-Mu'arkhoon*, Vol. 1, (Beirut, Dar al-Elam Lalmulayain, 1983), 178.

ایضا، 86 بحوالہ: شاکر مصطفی، التاریخ العربی والمؤرخون، ج1، (بیروت، دارالعلم للملایین، 1983)، 178۔

57۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: اور ابو مخنف راویوں میں سے ہیں اور میرا عقیدہ ہے کہ امامت انتخاب کے اعتبار سے صحیح ہے، اور وہ شیعوں میں سے نہیں ہے، اور اس کے آدمیوں میں چند ایک نہیں ہیں۔ دیکھیں:

Ibn Abi Al-Hadid, *Sherah Nahj al-Balaghah*, Vol. 1, 147.

ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج1، 147۔

58. Ibid, 86, with reference to: Yahya bn Ibrahim bn Ali Al-Yahiya, *Marwayat Abi Makhnaf fi Tarikh al-Tabari*, (Riyadh, Dar al-Aasma, 1432 AH/2011), 58.

ایضا، 86 بحوالہ: یحییٰ بن ابراہیم بن علی الیحییٰ، مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، (الریاض، دار العاصمۃ، 1432ھ/2011ء)، ص58۔

59۔ طبری کی تاریخ میں "ابی مخنف کی روایات" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی گئی ہے اور اس کے مرتب نے شیعہ مخالف تعصب کی شدت کی وجہ سے دستاویز کے نقطہ نظر سے ہر روایت پر تنقید کی ہے۔

60 ۔ حال ہی میں یہ حصہ اسلامی مطبوعات کی طرف سے وقع الطف کے غلط عنوان کے ساتھ ایک الگ کتاب میں شائع ہوا ہے۔ ابو مخنف کی وفات کے حوالے سے جو الگ سے دستیاب ہے وہ قطعاً غلط ہے۔

61. Ibid, 87, with reference to: Abbas, Al-Qomi, *Al-Kani wa Al-Al-Qaab*, Vol. 1, (Qom, Bidar, nd.), 155.

ایضا، 87 بحوالہ: عباس، القمی، الکنی والالقاب، ج1، (قم، بیدار، سن ندارد)، 155۔

62. Ibid, 87, with reference to: Al-Yahiya, *Marwayat Abi Makhnaf fi Tarikh al-Tabari*, 48-49.

ایضا، 87 بحوالہ: علی الیحییٰ، مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، 48۔49۔

63۔ ان کتاب خانوں کی ایک فہرست "مرویات ابی مخنف" کے صفحہ 53 پر شائع ہوئی ہے۔

64. Ibid, 87, with reference to: Ibn Abi Al-Hadid, *Sherah Nahj al-Balaghah*, Vol. 1, 145; Al-Shaikh Muhammad Taqi al-Tastri, *Qamoos al-Rijal*, Vol. 7, (Tehran, Markaz Nasher al-Kitab, 1397 SH), 447.

ایضا، 87 بحوالہ: ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج1، 145؛ الشیخ محمد تقی التستری، قاموس الرجال، ج7، (تہران، مرکز نشر الکتاب، 1397)، 447۔

سزگین نے طبری اور ابن ابی الحدید سے منقول اقتباسات کو ابو مخنف کی کتاب الجمل سے نقل کیا ہے۔ اس سے کل 43 واقعات نقل کیے ہیں۔ دیکھیں:

Zeit, Leiden, 1971 Sezgin, U., Abu Mihnaf; ein Beifraz zur Historiographie der umaiyadischen.

مجموعی طور پر ابن ابی الحدید نے اس سے 43 حوالے بیان کیے ہیں۔

65. Ibid, 87, with reference to: Suzkin, Fouad, *Tarikh al-Turath al-Arabi*, Vol. 2, Part 2 (Qom, Kitab Khana Ayatulla Murashi, 1381

ایضا، 87 بحوالہ: سزگین، فؤاد، تاریخ التراث العربی، ج2، جزء 2 (قم، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی، 1381ش)، 128۔130۔

"اصول فلسفہ وروش رئالیسم"-چند صفحات کا مطالعہ (1)

Study of a few Pages from: "The Principals of Philosophy and The Methodology of Realism" (1)

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Dr. Abou Hadi
Director Noor Research & Development Pvt (Ltd.); Islamabad.
E-mail: Noor.marfat@gmail.com

Abstract:

Knowledge is sacred in itself. And the reason for its sanctity is the efforts of man to achieve it, which have not been done to achieve anything else in the history of mankind. Also, the sanctity of knowledge is associated with its soundness and reliability. This is the reason that the more accurate, correct and reliable the knowledge, the more holy it will be. Ustad Muthari claims that there is a special feature in Islamic philosophy that it proceeds on the basis of evidence and does not settle for anything less than belief. This characteristic of Islamic philosophy has given it special importance and sanctity

In this article, after explaining the importance and sanctity of knowledge and Islamic philosophy from the point of view of Professor Murtaza Mutahari, the subject of Islamic philosophy and these 6 great questions that are sought to be answered in Islamic philosophy have been introduced. In this context, Professor Murtaza Mutahari has described the history of philosophy and the history of philosophy in the world of Islam and has introduced Hikmat al-Mutaaliyyah (Transcendent Theosophy) with a characteristic.

However, he has emphasized that Muslim intellectuals should introduce Islamic philosophy to the people of the world and not rely on Orientalists in this regard; Because in the understanding of Islamic philosophy, as well as in its introduction, the Orientalists have made gross mistakes. In the eyes of Professor Mutahari, the introduction of Islamic philosophy is also important because it has a clear superiority over European philosophy.
In this article, the views of Professor Murtaza Mutahari on the above mentioned points are best interpreted. Of course, this article will be a source of knowledge for the lord of knowledge and wisdom.

Key words: Philosophy, wisdom, principle, approach, realism, Muhammad Hussain, Tabatabai, Murtaza, Mutahari.

خلاصہ

پیشِ نظر مقالہ استاد مرتضی مطہری کے تشریحی نوٹس سے مزین، علامہ طباطبائی کی کتاب "اصول فلسفہ و روش ریالیسم" کے چند صفحات کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ فلسفہ کے طالب علموں کے لیے اِس کتاب کے مندرجات کی سادہ و سلیس زبان میں تشریحات پیش کرتا ہے۔ اِس مقالے میں جو مطالب بیان کیے گئے ہیں اُن میں سب سے پہلا مطلب علم کی اہمیت اور اُس کے تقدّس کا بیان ہے۔ مقالہ ہٰذا میں یہ بتایا گیا ہے کہ علم کا تقدس، اُس کی صحت اور یقین آوری سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم جتنا صائب، صحیح اور یقین آور ہوگا، اتنا مقدس ہوگا۔
اس مقالہ میں دوسرا مطلب اِس مدعا پر مشتمل ہے کہ اسلامی فلسفہ میں یہ خاص خصوصیت پائی جاتی ہے کہ یہ برہان کی بنیاد پر آگے بڑھتا اور یقین سے کم تر پر قانع نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلامی فلسفے کی اسی خصوصیت نے اسے ایک خاص اہمیت اور تقدس عطا کیا ہے۔
اِن مطالب کے علاوہ، پیشِ نظر مقالہ میں اسلامی فلسفہ کے موضوع اور اُن 6 عمدہ سوالات کا تعارف کروایا گیا ہے جن کے جواب کے حصول کی تگ و دَو، اسلامی فلسفہ کی روح رواں ہے۔ اس ضمن میں فلسفہ کی تاریخ اور عالم اسلام میں فلسفہ کی سرگذشت بیان کی گئی ہے اور خصوصیت کے ساتھ حکمت متعالیہ یا ملاصدرائی فلسفے کا تعارف کروایا گیا ہے۔ یہ مقالہ مسلمان دانشوروں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اہل دنیا کو اسلامی فلسفہ کا کماحقہ تعارف کروائیں اور اس

حوالے سے مستشرقین پر بھروسہ نہ کریں؛ کیونکہ مستشرقین اسلامی فلسفہ کے فہم اور اُس کے تعارف میں فاحش غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ نیز اسلامی فلسفے کا تعارف اس لیے بھی ضروری ہے کیونکہ یہ یورپی فلسفہ پر واضح برتری رکھتا ہے۔

پیش نظر مقالہ میں مذکورہ بالا موضوعات پر استاد مرتضی مطہری کے خیالات کی بہترین ترجمانی کی گئی ہے۔ یقینا یہ مقالہ اربابِ علم و دانش کے لیے معرفت افزائی کا موجب بنے گا۔

کلیدی کلمات: فلسفہ، حکمت، اصول، روش، ریالزم، محمد حسین، طباطبائی، مرتضی، مطہری۔

تعارف

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا سب سے بڑا فرض علم کا حصول اور اُس کا سب سے بڑا اشرف، عالم ہونا ہے۔ لیکن مختلف علوم کی باہمی نسبتوں کو دیکھا جائے تو اُن میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت علم، وہ ہوگا جس کا موضوع دیگر علوم کے موضوعات پر فضیلت اور برتری رکھتا ہو گا۔ اب چونکہ عالمِ وجود و ہستی کا برترین جوہرِ "ذات قدسی" ہے، اُس کی شناخت اور معرفت سب سے بافضیلت علم و معرفت ہے۔ اِس سے حکمتِ الٰہی یا اسلامی فلسفے کی اہمیت و فضیلت کا ادراک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ حکمتِ الٰہی اور اسلامی فلسفے کا موضوع، وجود کی شناخت ہے اور حکمتِ الٰہی تب تک وجود کے کسی امکانی مرتبے کا اثبات نہیں کرتی جب تک کہ عالمِ امکان سے پہلے وجود کے وجوبی مرتبے یعنی خداوند تعالی کے وجود کا اثبات نہ کرلے تو اِس وجہ سے اسلامی فلسفے اور حکمتِ الٰہیہ کا شمار بافضیلت ترین علوم میں سے ہوتا ہے۔ اسلامی فلسفے اور حکمتِ الٰہیہ کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ یہ تفکر کے بنیادی منبع یعنی عقل سے استفادہ کے ساتھ ساتھ قرآن و سنّت جیسے اُن منابع سے بھی مستقیم و غیر مستقیم استفادہ کرتا ہے جو وجودِ حق کی شناخت میں رہنما کردار ادا کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ فلسفے کا علم جتنا بافضیلت ہے، اتنا اس کی مخالفت بھی شدید ہے۔ متکلم ہو یا فقیہ، عوام ہوں یا خواص، کم و بیش سب طبقات نے فلسفی طرزِ تفکر کی بلاجواز مخالفت کی ہے؛ لیکن فلسفے کو سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا، ابلیس کے اُن خاص چیلوں کی طرف سے ہے جو قدیم وجدید سفسطے، شکّاکیت اور الحاد کو بنامِ فلسفہ رونقِ بازار بناتے رہے ہیں۔ دراصل، سفسطہ، شکاکیت اور مادہ پرستی کی فکری بنیادوں پر استوار الحادی تحریک کا واحد ہدف، انسان سے یقینی معرفت کا دُرِّ گراں چھین کر، اُس کے وجود کے جوہرِ برین، یعنی عقل کو ناکارہ بنانا اور معرفت کے اعتبار (Validity) کو خدشہ دار بنا کر بنی نوع بشر سے "خداپرستی" کو توہم پرستی اور معرفت و شہود کو وہم و گمان قرار دینا ہے۔

جن الٰہی فلسفیوں نے مخالفتوں، تہمتوں، مشکلوں اور محرومیت کے طوفان سے ٹکرا کر بھی حق و حقیقت کے طالبین کے لئے فکر و فلسفے کی سبیل لگائی اور طالبانِ حقیقت کو عرفانِ حق کی شراب سے سیراب کیا اور توحیدی تصوّرِ کائنات کو عقلی استدلال کی بنیانِ مرصوص فراہم کی ہے، اُن میں علامہ سید محمد حسین طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ اور استاد شہید مرتضٰی مطہری رحمۃ اللہ علیہ کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ علامہ طباطبائی کی عظیم تصنیف "اصول فلسفہ و روش رئالیسم" پر استاد مرتضی مطہری کے گرانقدر حواشی اور تشریحی نوٹس، جہاں قدیم و جدید سفسطے اور شکّاکیت کی دلدل میں پھنسی انسانیّت کے لئے یقینی معرفت کی اساس فراہم کرتے ہیں، وہاں انسانی علم کو اوہام اور فکری خطاؤں سے جدا کرکے یہ عروج عطا کرتے ہیں کہ وہ بامِ عرش تک پرواز کر سکیں۔ پیش نظر مقالہ میں "اصول فلسفہ وروش رئالیسم" کی پہلی جلد کے مقدمہ میں استاد مطہری کے پیش کردہ اہم نکات کا اجمالی بیان پیش کیا گیا ہے؛اس امید پر کہ یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے گا۔ و من اللہ التوفیق۔

1. علم کی قدر و قیمت

کتاب "اصول فلسفہ وروش رئالیسم" کی پہلی جلد کے مقدمہ میں استاد مرتضی مطہری نے پہلا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ انسان کے تمام مقدسات میں سے تنہا "علم و دانش" ہی وہ مقدّس چیز ہے جس کے تقدّس پر ہر نسل اور ہر مکتب و مسلک کے پیروکاروں کا اتفاق ہے اور سب لوگ علم کی رفعت، عظمت اور پاکیزگی کے قائل ہیں؛ یہاں تک کہ نادان سے نادان ترین شخص بھی "علم و دانش" کا احترام کرتا ہے اور کوئی دیوانہ بھی علم و دانش کی محض اس بنیاد پر کہ یہ علم و دانش ہے، تحقیر نہیں کرتا۔

علم و دانش کی محبوبیّت اور اس کا احترام، فقط اس لیے نہیں ہے کہ علم انسان کے لیے زندگی گذارنے کا بہترین وسیلہ ہے اور زندگی کی جنگ میں اسے طاقت و قدرت عطا کرتا ہے اور عالم طبیعت پر تسلط اور حکمرانی عطا کرتا ہے۔ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا؛ بلکہ اکثر جو صاحبانِ علم محروم رہتے ہیں۔ علم کی تاریخ رنج و غم، محرومی، مصیبت اور مشکلات کی تاریخ ہے۔اگر علم محض طبیعت پر حکمرانی اور مزے لوٹنے کے لئے مطلوب ہوتا تو علماء اور دانشور یہ سب رنج والم برداشت نہ کرتے اور نہ اپنی زندگیاں اجیرن بناتے۔ استاد مرتضی مطہری کے مطابق، علماء اور دانشوروں کی محرومیت کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ علم مادی آسائشات کے حصول کی خاطر محبوب نہیں، بلکہ:

"علم کا انسانی روح کے ساتھ پیوند، اُن پَست اور حقیر تعلقات سے بالاتر ہے جن کا پہلی نظر میں تصّور کیا جا سکتا ہے۔"[1]

علم کے تقدس کے باب میں استاد مطہری نے یہاں دوسرا اہم نکتہ یہ بیان فرمایا ہے کہ علم جتنا یقینی تر، شک و تردید

اور جہالت کی دیواروں کو مسمار کرنے والا، جس قدر کلی، عمومی اور جہالت کے دبیز پردوں کو ہٹانے والا ہو، اُس کی اہمیت اور طلب بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ علم جو برہان کی بنیاد پر استوار اور یقین کی صفت سے موصوف ہو اس کی قدر و قیمت ہر علم سے زیادہ ہے۔ اسلامی فلسفہ اپنی ماہیت میں یقین طلب اور روش میں برہانی ہونے کے ناطے اسلامی علوم میں ایک عظیم اور بالا قدر و قیمت کا حامل علم ہے۔

2. فلسفے کا موضوع

کتاب "اصول فلسفہ و روش ریالیسم" کی پہلی جلد کے مقدمہ میں استاد مرتضی مطہری کا کہنا یہ ہے کہ انسان جن مجہولات تک دستیابی کی آرزو رکھتا ہے، اُن میں سے کچھ کا تعلق عالم ہستی کے کلی نظام، کائنات کی عمومی حرکت، عالمِ وجود کے رمز اور سرائے عالم کے راز کشف کرنے سے ہے۔ لہٰذا یہ مجہولات، انسان کے درجۂ اوّل کے مسائل شمار ہوتے ہیں۔ انسان کامیاب ہو یا ناکام، یہ نہیں ہو سکتا کہ عالم ہستی کے آغاز و انجام، اس کی غرض و غایت، اس کے حدوث و قدم اور وحدت و کثرت، اس کے متناہی یا لامتناہی ہونے، اس کے علّت یا معلول ہونے، اس کے واجب یا ممکن ہونے اور اس طرح کے کئی دیگر سوالات کے بارے میں تامّل سے پہلو تہی کر لے۔

دراصل، ایک عقل مند مخلوق ہونے کے ناطے، بنی نوع انسان کے چند اساسی سوالات ایسے ہیں جن کا فلسفی جواب ہی اُسے قانع کر سکتا ہے۔ فلسفے اور دیگر علوم کا ایک اساسی فرق یہی ہے کہ دیگر علوم، عالمِ ہستی کے پیکر کے کسی ایک حصے، جزے اور ٹکڑے کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن فلسفہ عالمِ ہستی کی پوری تصویر *(Universe As a Whole)* کا مطالعہ کرتا ہے۔ درنتیجہ انسان کے درج ذیل سوالات فلسفی سوالات ہیں کہ:

1. عالم ہستی کا آغاز کب سے ہوا ہوگا؟ اس کا انجام کب ہوگا؟ (آغاز و انجام)
2. آیا یہ پورا عالم، پہلے نہ تھا اور بعد میں وجود میں آیا (حُدُوثْ) یا ایسا نہیں بلکہ عالم ہستی ازل سے ہے۔ اِس کے لیے کوئی نقطہ آغاز *(Starting Point)* معین نہیں کیا جا سکتا (قِدَمْ) اور یہ ہمیشہ سے ہے؟
3. آیا یہ عالم ایک اکائی *(One Unit)* ہے یا مختلف اکائیوں کے مجموعے کا نام ہے؟
4. آیا یہ محدود (متناہی) ہے یا لا محدود (نامتناہی)؟
5. آیا عالم ہستی کی یہ بساط، کسی ہدف اور مقصد کے تحت بچھائی گئی ہے یا یہ ایک بے ہدف کھیل ہے؟ (غرض و غایت)۔
6. آیا یہ عالم ہستی، وجود پانے میں کسی سبب *(Cause)* کا محتاج ہے (معلوم ہے اور ممکن)؟ یا نہیں، اِسے وجود پانے کے لیے کسی بیرونی سبب کی ضرورت نہیں ہے اور اِس کے وجود میں آنے کا سبب، خود اِس کے اپنے

اندر پوشیدہ ہے (علّت ہے اور واجب ہے)؟

ان سوالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسفے کا موضوع ہمہ عالم اور پوری دنیا ہے۔

یہاں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ عالمِ ہستی سے مربوط اِن سوالات کا جواب قرآن و سنت میں موجود ہے اور "ہمہ عالم" قرآن و سنّت کا موضوع ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ Universe As a Whole کے بارے میں یہ نصوص، درحقیقت، عقل کو قانع کرنے کے لیے اور انسان کی فلسفی فکری طلب پوری کرنے کے لیے نازل اور وارد ہوئی ہیں اور اِن کا نزول یا صدور فلسفے کے موضوع کو فلسفے سے نہیں چھینتا۔ خلاصہ یہ کہ بقول مطہری:

"فلسفہ، پورے عالم کو انسانی فکر کی جولانگاہ قرار دیتا ہے اور انسانی عقل و فکر کو اپنے پَر و بال پر بٹھا کر اُن عوالم کی طرف لے اڑاتا ہے کہ جن کی سیر انسان کی سب سے بڑی آرزو اور منزلِ شوق ہے۔" [2]

3. انسانی تفکر کی تاریخ، فلسفے کی تاریخ

یہاں مرتضی مطہری نے ایک اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ:

"فلسفے کی تاریخ، انسانی تفکر کی تاریخ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی خاص صدی، کسی خاص زمانے، کسی خاص علاقے یا کسی خاص مقام کو فلسفے کی جنم بھومی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ انسان نے جب بھی اور جہاں بھی تامل کی فرصت پائی تو اس نے اپنی فطری تقاضے کے تحت عالم ہستی کے کلی نظام کے بارے میں رائے قائم کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ اور جہاں تک تاریخ کی ترجمانی کا تعلق ہے تو مصر، ایران، ہندوستان، چین اور یونان جیسے دنیا کے کئی خطوں میں بڑے بڑے فلسفی اور مفکر پیدا ہوئے جنہوں نے اہم فلسفی مکاتب کی داغ بیل ڈالی۔" [3]

استاد مطہری کے مطابق آج ہمارے پاس اُن اَدوار کے چند فلسفی آثار باقی ہیں جو ہم سے بہت دُور نہیں ہیں لیکن زیادہ قدیم ایّام کے فلسفی آثار میں سب سے زیادہ اور سب سے بہتر، اُس عظیم علمی اور فلسفی تحریک کے آثار باقی ہیں جو تقریباً دو ہزار چھ سو سال پہلے یونان میں شروع ہوئی۔ ان آثار کی بقا کا سبب یہ ہے کہ اس زمانے سے لے کر آج تک، کوئی ایسا تاریخی خلا وجود میں نہیں آیا جس کی وجہ سے یہ آثار مکمل طور پر نابود ہو جاتے۔ وہ فکری تحریک جو یونان اور ایشیائے صغیر کے بعض علاقوں سے اٹھی، اسکندریہ میں پھیلی اور جب اسکندریہ اور آتن کا علمی مرکز کلی طور پر نابود ہو رہا تھا اور مشرقی روم کا بادشاہ، "ژوستی نن" ۵۲۹ عیسوی میں اسکندریہ اور آتن کی یونی ورسٹیوں اور مدارس کے دروازے بند کرنے کا حکم صادر کر رہا تھا، دانش مند حضرات خوف و ہراس کے مارے چھپ رہے تھے اور تعلیم و تربیت کے مراکز ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے، عین اُسی وقت، دنیا کے ایک اور خطے پر، اسلام کے سورج کے

طلوع سے ایک نئی علمی تحریک کا آغاز ہوا اور ایک جدید اور مضبوط تمدّن کے مقدمات فراہم ہو گئے۔

4. عالمِ اسلام میں فلسفہ

استاد مطہری مدعی ہیں کہ اسلام کے عظیم الشأن پیشوا اور دین کے عظیم اولیأ نے علم و دانش اور طالب علم کے مقام و منزلت کی جو حوصلہ افزائی اور تشویق فرمائی، اس کے سبب بنی نوع بشر کے دلوں میں علم کی نئی طلب اور تڑپ بیدار ہوئی جس کے نتیجے میں ایک وسیع اور عظیم اسلامی تمدن معرض وجود میں آیا۔ علوم کے مختلف شعبے تدوین پائے، مختلف زبانوں اور سب سے زیادہ یونانی زبان سے کتابیں ترجمہ ہونے لگیں۔ مدرسوں اور یونی ورسٹیوں کی از سر نو تأسیس ہوئی، لائبریریاں قائم ہوئیں اور اس عظیم اسلامی مملکت کے بڑے بڑے شہر، علوم کا گہوارہ اور طلب علم کی خاطر گھروں سے نکلنے والے تشنگانِ علم کی آمد و رفت کا مرکز بن گئے۔

موجودہ یورپ اور دنیا کے تمام خطّوں سے علم کی تلاش میں نکلنے والے، اسلامی ممالک کی طرف بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی صدیوں بعد یورپ میں جدید انقلاب رونما ہوا اور عالمِ علم و دانش میں ایک مثالی تبدیلی وجود میں آئی۔ استاد مطہری کے مطابق تاریخی لحاظ سے جو بات مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ قدیم یونان بھی اپنی معلومات کے اصلی سرمائے میں عالم مشرق کا مقروض ہے اور وہاں کے بڑے بڑے دانش مندوں نے عالم مشرق کا سفر کیا اور یہاں کے دانش مندوں کے نظریات سے فیضیاب ہوئے اور واپس وطن لوٹ کر انہوں نے ان نظریات کو شائع کیا۔

مطہری رقمطراز ہیں کہ:

> " جو موضوع کتابِ حاضر کے ساتھ نسبتاً زیادہ مربوط ہے اور اس کے علاوہ اُس پر کمتر بحث ہوئی ہے، وہ اسلامی فلسفے کی 350 سالہ تاریخی روئیداد کا تعارف ہے کہ بدقسمتی سے جس کا کماحقہ تعارف آج تک نہیں کروایا گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ نے کہ جو عام طور پر اس میدان میں یورپی ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کا عادی ہے، اسلامی فلسفہ پر وہ توجہ نہیں دی جو اسے دینا چاہیے تھی۔ "[4]

5. حکمت متعالیہ

استاد مطہری کی نظر میں اہل دنیا کے سامنے اسلامی فلسفے کا بالعموم اور "حکمت متعالیہ" کا بالخصوص تعارف پیش کرنا بہت ضروری ہے۔ دراصل، "حکمت متعالیہ" کے نام سے موسوم اسلامی فلسفی نظام کی بنیاد، گیارہویں صدی ہجری میں "صَدرُ المُتَأَلِّہِین شیرازی"، معروف بہ "ملّا صدرا" کے ذریعے رکھی گئی۔ ایران میں اغلب فلسفی تعلیمات کا محور اِسی دانش مند کی مہم فلسفی مسائل پر تحقیقات رہی ہیں جو کہ زیادہ تر فلسفہ اولیٰ اور حکمتِ الٰہی میں

ہیں۔ ملّا صدرا کی فلسفی شخصیت اور آثار کے بارے میں مرتضی مطہری لکھتے ہیں کہ:

"ملّا صدرا نے یونانی فلاسفرز سے یوں تو بالعموم اور افلاطون اور ارسطو سے بالخصوص علمی ورثہ پایا۔ انہوں نے فارابی، ابن سینا، شیخ اشراق اور دیگر عظیم مسلمان حکمأ کی یونانی فلسفہ پر شروحات اور اضافات سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا۔ نیز بزرگ مسلمان عرفاء نے اپنے ذوقِ ہدایت اور قوتِ عرفان سے جو کچھ کسب کیا تھا، ملّا صدرا نے اُسے بھی خوب سمجھا اور پھر از سرِ نو فلسفے کی ایک نئی عمارت کی بنیاد ڈالی اور اسے محکم اور غیر متزلزل اصول و قواعد پر استوار کیا اور استدلال و برہان کے لحاظ سے فلسفی مسائل کو ریاضی کے قواعد کی وہ حیثیت دی کہ بعض کا بعض سے استخراج کیا جاسکے۔ یوں ملّا صدرا نے فلسفہ کو اپنے طریق استدلال میں انتشار اور پراکندگی سے نجات دلائی۔" [5]

اپنے استاد افلاطون کے نظریات کے خلاف قیام کرنے والے ارسطو کے زمانے سے لے کر ملّا صدرا تک، مسلسل یہ دو فلسفی مکتب ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلے آرہے تھے کہ جن میں سے ایک کا نمائندہ ارسطو اور دوسرے کا نمائندہ افلاطون تھا۔ ان دونوں مکاتب کے پیروکار بھی ہر زمانے میں پائے گئے۔ مسلمانوں کے درمیان بھی یہ دونوں مکتب، مکتبِ اشراق اور مکتبِ مشأ کے نام سے معروف ہوئے، خواہ یونان و اسکندریہ ہوں یا عالم اسلام، یا قرون وسطیٰ کا یورپ، ہر جگہ دو ہزار سال تک اِن دونوں مکاتب کے درمیان چپقلش اور فلسفی کھینچا تانی چلتی رہی۔ لیکن صدر المتألہین نے فلسفے کی جو جدید عمارت کھڑی کی، اُس میں انہوں نے ان دو ہزار سالہ تنازعات کو ایسا خاتمہ بخشا کہ اب اشراق اور مشأ کے مکتب کا ایک دوسرے کے مدّمقابل ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اور صدر المتألہین کے بعد جو فلسفی بھی آیا اور اس کے فلسفے سے آشنا ہوا، اُس نے اِن دو ہزار سالہ تنازعات کو خاتمہ یافتہ پایا۔

اِس حقیقت سے قطعِ نظر کہ صدر المتألہین کے فلسفے میں ابتکاری اور بے سابقہ جہات پائی جاتی ہیں، یہ فلسفہ اُن عظیم محققین کی آٹھ سو سالہ زحمتوں کا ثمر ہے جن میں سے ہر محقق کا فلسفے کی پیشرفت میں ایک خاص سہم ہے۔ افسوس اس بات پر ہے کہ اس عظیم پیشرفت کے باوجود، جیسا کہ بعض مستشرقین نے گواہی دی ہے، اس فلسفہ کے جنم پر چار صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی یورپ میں ابھی تک اس فلسفے کا ایک صحیح اجمالی تعارف پیش نہیں کیا گیا۔

6. اسلامی فلسفہ کے تعارف میں مستشرقین کی لغزشیں

"اصول فلسفہ و روش ریالیسم" کی پہلی جلد کے مقدمہ میں استاد مرتضی مطہری نے اس بات پر خصوصی تاکید کی ہے کہ کو خود مسلمانوں کو اسلامی فلسفے کا اہل یورپ کو تعارف کروانا چاہیے۔ کیونکہ جس طرح مستشرقین نے دیگر اسلامی علوم اور تعلیمات کے اہل یورپ کو تعارف کروانے میں غلطیاں کی ہیں، اسی طرح اسلامی فلسفے کا تعارف

کروانے میں بھی اُن سے اہم خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ شہید مطہری لکھتے ہیں:

"معروف برطانوی مستشرق، پروفیسر ایڈوارڈ براؤن (متوفی ۱۳۰۴ھ، ش) جس نے اپنی عمر ایران اور تاریخ ایران کے مطالعہ میں صرف کی ہے "ادبیات ایران" کی چوتھی جلد میں لکھتا ہے: ایران میں ملّا صدرا کے فلسفہ کی شہرت اور اس کے رائج ہونے کے باوجود، میں نے یورپی زبانوں میں اس کے فلسفی مسلک کے بارے میں فقط دو سطحی اور ناقص خلاصے دیکھے ہیں۔

اسی طرح Kont Gobineau نے ملّا صدرا کے عقائد کے بارے میں چند صفحات لکھے ہیں؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اُس کی تمام تر معلومات، ایران میں اس کے اساتذہ کی زبان سے سنی سنائی ہیں، وہ بھی ایسے اساتذہ جو خود بھی ملا صدرا کے عقائد کے بارے میں گویا مکمل آگاہی نہ رکھتے تھے۔ Gobineau نے ملّا صدرا کے بارے میں جو شرح حال لکھی ہے وہ اس کے اختتام پر لکھتا ہے کہ ملّا صدرا کی حقیقی روش سو فیصد ابو علی سینا سے مأخوذ ہے۔ حالانکہ صاحبِ "روضات الجنّات" ملّا صدرا کے بارے میں لکھتا ہے کہ:" کان... منقحا اساس الاشراق بما لا مزید علیه و مفتحا ابواب الفضیحة علی الطریقة المشاء و الرواق"۔[یعنی: ملّا صدرا نے اشراقی فلسفہ کی اساس کو اتنا مضبوط بنایا جس سے زیادہ مضبوط بنانا ممکن نہ تھا اور اُس نے مشاء اور روّاق کی روش کی رسوائی کے کئی ابواب کھولے۔]

ملّا صدرا کے مکتب کے بارے میں مختصر لیکن سنجیدہ اور صحیح تر تبصرہ وہ ہے جو شیخ محمد اقبال (علّامہ محمد اقبال) نے لکھا ہے۔"[6]

ایڈوارڈ براؤن مذکورہ کتاب میں لکھتا ہے:

"ملّا صدرا کی مشہور ترین کتابیں، اسفار اربعہ اور شواہد الربوبیہ ہیں۔" اور حاشیہ میں رقم طراز ہے کہ: "کونٹ گوبینیو "اسفار" کا معنی سمجھنے میں غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ اُس نے "اسفار" کو جو کہ "سِفر" کی جمع اور "کتاب" کے معنوں میں ہے، "سفر" (مسافرت) کی جمع قرار دیا ہے۔"

استاد مطہری کا کہنا ہے کہ باوجود اِس کے کہ ایڈوارڈ براؤن مستشرقین سے نالاں ہیں کہ انہوں نے ملا صدرا کے فلسفے کا درست تعارف نہیں کروایا، وہ خود ایسے اشتباہات کا مرتکب ہوا ہے۔ خود براون اپنی کتاب "وسطی ایشیا کے مذاہب اور فلسفے" کے صفحہ ۸۱ پر لکھتا ہے:

"ملّا صدرا نے مسافرت (سفر نامہ) کے بارے میں چند دیگر کتب بھی لکھی ہیں۔"

استاد مطہری کا کہنا ہے کہ:

جہاں تک پاکستانی علامہ اقبال کی اُس کتاب کا تعلق ہے کہ جو انہوں نے کیمبریج یونی ورسٹی میں اپنی طالب علمی کے

زمانے میں انگریزی زبان میں تحریر کی، تو وہ ہمیں نہیں مل سکی؛ لیکن اتنا قطعی ہے کہ یہ ایک انتہائی مختصر سا کتابچہ ہے۔ اور جہاں تک ان دو افراد (کونٹ گوبینیو اور ایڈورڈ براؤن) کا تعلق ہے تو یہ دونوں بڑے مستشرق شمار ہوتے ہیں۔ محقق دانش مند، مرحوم محمد خان قزوینی جو خود تقریباً تیس سال تک یورپ کے مختلف کتاب خانوں میں مشغولِ مطالعہ رہے ہیں اور ان کا کئی مستشرقین کے ساتھ قریب کا صمیمی رابطہ بھی رہا ہے، اپنے اُس مقالہ میں جو انہوں نے براؤن کی وفات کی مناسبت سے برلین سے چھپنے والے فارسی مجلے "ایرانشہر" میں شائع کیا، لکھتے ہیں:

"ان کی ادبیات کے بارے میں یورپ اور امریکا کے مستشرقین میں سے کسی نے بھی براؤن کی سی زحمت نہیں اٹھائی اور نہ ہی کسی کو اس جتنی ایرانی ادبیات، ذوقیات، معنویات، حکمأ و عرفأ کے افکار اور اس مملکت کے ارباب مذاہب سے خالص اور دل کی گہرائیوں سے صمیمانہ محبت رہی۔" [7]

اسی مقالہ میں وہ Kont Gobineau کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ فرانس کا مشہور مصنف ہے جس نے فلسفہ، سوشیالوجی، مذہب، اور تاریخ وغیرہ کے باب میں کئی کتابیں تألیف کی ہیں اور فلسفۂ تاریخ کے باب میں اس کا "گوبین ازم" کے نام سے اپنا ایک مخصوص طریقۂ بحث ہے جس کے جرمنی میں بہت زیادہ پیروکار پائے جاتے ہیں۔ یہ شخص 1271ھ.ش سے 1274ھ.ش تک تہران میں فرانس کے سفارتخانہ میں سفیر کا نائب اوّل رہا ہے اور 1278ھ.ش سے 1280ھ.ش تک اسی شہر میں اسی ملک کا وزیر رہا ہے۔" [8]

شہید مطہری مستشرقین کی اسلامی فلسفہ کے تعارف میں لغزشوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان دو بڑے مستشرقین میں سے ایک ملّا صدرا کو مشائی مکتب کا پیروکار قرار دے رہا ہے اور دوسرا پہلے کی بات ردّ کرنے کے لیے تاریخ و تراجم کی کتاب "روضات الجنات" کا حوالہ دے رہا ہے۔ ایک کہتا ہے، اسفار، سفر نامہ ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ اسفار "سِفر" کی جمع اور "کتاب" کے معنوں میں ہے۔ اگر ان دونوں نے خود سے اسفار کے پہلے ورق کا مطالعہ کر لیا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ اسفار، نہ "سِفر" کی جمع ہے اور نہ ہی سفر نامہ ہے۔ اور جہاں تک Kont Gobineau کے اُس استاد کا تعلق ہے جس کی براؤن بات کرتا ہے، تو وہ ظاہراً "ملّا لالہ زار" نامی ایک یہودی ہے کہ جس نے ڈیکارٹ کے رسالہ "گفتار" کے فارسی ترجمہ میں Gobineau کی مدد کی ہے۔ Gobineau نے اسی کتاب میں ملّا صدرا کے عظیم الشأن استاد، میر محمد باقر داماد کو ایک "جدلی" (Dialectician) دانش مند قرار دیا ہے۔ وہ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ ملّا صدرا شیخ بہائی کی رہنمائی پر میر داماد کے درس میں حاضر ہوئے، ملّا

صدرا کی میر داماد کے ہاں تحصیلات کے نتیجہ کے بارے میں لکھتا ہے: اور وہ چند سال بعد فصاحت و بلاغت کے اس مقام پر پہنچا جو ہم پر عیاں ہے۔"[9]

7. مستشرقین کا بھروسہ نہیں

مستشرقین کی چند فاحش غلطیوں کی طرف اشارہ کرنے کے بعد استاد مطہری انہیں اسلامی علوم اور تعلیمات کے تعارف میں ناقابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ: "وہ لوگ جو مستشرقین کے کارناموں پر کامل یقین رکھتے ہیں، ہم اُن کے لیے یہاں چند نمونے بیان کیے دیتے ہیں۔ یہی Kont Gobineau جو ناصر الدین شاہ کے زمانے میں ایران میں مقیم رہا ہے اور فارسی بولنے کی بھی خوب مہارت رکھتا تھا، اپنی اُس کتاب میں جو اس نے "ایران میں تین سال" کے عنوان سے شائع کی اور یہ کتاب فارسی میں بھی ترجمہ ہو چکی ہے، جب ایرانیوں کی احوال پرسی کی کیفیت کی توضیح دینے لگتا ہے تو لکھتا ہے:

> "جب آپ، صاحب خانہ اور دیگر سب حاضرین بیٹھ جاتے ہیں تو آپ صاحب خانہ کا رخ کرتے اور پوچھتے ہیں کہ آیا آپ کی ناک موٹی ہے؟ صاحب خانہ جواب دیتا ہے: خداوند تعالیٰ کی عنایت کے سہارے میری ناک موٹی ہے، آپ کی ناک کیسی ہے؟.... یہاں تک کہ میں نے بعض مجالس میں دیکھا کہ ایک شخص سے یہ بات پانچ بار پوچھی گئی اور اس نے ہر بار یہی جواب دیا۔ یہاں تک کہ میں نے سنا ہے کہ ... ایک تہرانی عالم کی توصیف میں بتا رہے تھے کہ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جب کسی بزرگ کی ملاقات کے لیے جاتے تو نہ فقط اس کی اپنی ناک اور اُس کے عزیزوں کی ناک کے بارے میں، بلکہ ان کے تمام نوکروں اور درباریوں کی ناک کے بارے میں بھی احوال پرسی کرتے تھے۔"[10]

ملاحظہ فرمایئے! یہ شخص چونکہ فارسی زبان کی اصطلاحات سے مکمل آشنائی نہیں رکھتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ "دماغ شما چاق است؟" کے جملہ میں "دماغ" کا کلمہ، ناک کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس نے ایرانیوں کی احوال پرسی کی کیفیت یوں تمسخر آمیز طریقے سے نقل کی ہے۔ یقیناً Kont Gobineau نے یہ جملہ نقل کرتے ہوئے بدخواہی نہیں کی، لیکن فارسی زبان سے اس کی ادھوری آگاہی، اس کی اس غلطی کا سبب بنی ہے۔ اب اگر روز مرّہ کی عادات اور رسم ورواج کے تعارف میں ایسی غلطی سرزد ہو سکتی ہے تو فلسفی افکار کی ترجمانی میں کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ خود ایران میں جہاں ابو علی سینا اور ملّا صدرا جیسے دانش مندوں نے پرورش پائی، ہر زمانے میں فضلاً

کی ایک کثیر تعداد اس امر کی خواہاں رہی ہے کہ ان دانش مندوں کے افکار سے کامل آگاہی حاصل کر پائیں اور انہوں نے اس کام کے لیے اپنی عمر کے کئی سال بھی صرف کئے لیکن آخر پر فقط چند افراد ہی ایسے نکلے جو ان دانش مندوں کے افکار کے سمندر کی تہہ تک پہنچ پائے اور ان افراد کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں سے بھی تجاوز نہیں کرتی۔ بنابریں، ہم کیسے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ دس صدیاں پہلے کا اسلامی فلسفہ اور مثال کے طور پر ابن سینا کے وہ افکار کہ جنہیں فقط ان کے اپنے شاگرد ہی سمجھ پاتے تھے، آیا اِن تراجم میں ٹھیک ٹھیک منعکس ہو پائے ہیں؟

8. اسلامی فلسفہ کا تعارف، ہماری ذمہ داری

"اصول فلسفہ وروش ریالیسم" کی پہلی جلد کے مقدمہ میں استاد مرتضی مطہری آخری اہم نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ خود مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اہل دنیا کو اسلامی فلسفے کا تعارف کروائیں۔ چنانچہ آپ رقمطرز ہیں:

"ہمارا ہدف مستشرقین کی روش پر تنقید نہیں ہے؛ کیونکہ ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ آئیں اور ہماری ادبیات، تاریخ، مذہب یا فلسفے اور علوم کی تشریح کریں اور اُسے اہل دنیا کے سامنے پیش کریں، از خود ایک بے جا توقّع ہے۔ عربی زبان کی ایک معروف ضرب المثل ہے کہ: "ما حکّ ظهری مثل ظفری" یعنی: "خود میرے ناخن کی مانند کوئی چیز میری پشت کو نہیں کھجلاتی۔"[11]

اگر واقعاً کچھ لوگ یہ چاہتے ہوں کہ اپنا تعارف کروائیں اور اپنی تاریخ یا ادبیات یا مذہب یا فلسفہ اہل دنیا کے سامنے پیش کریں تو اس کا تنہا راستہ یہ ہے کہ وہ یہ کام خود انجام دیں۔ اگر دیگر اقوام کے افراد بالفرض مکمل بے غرضی اور کمال اشتیاق سے یہ بھی کام انجام دینا چاہیں تو بالآخر بعض مقامات پر مکمل آگاہی نہ ہونے کے سبب ان سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوں گی۔ جیسا کہ تاریخ کے بیان یا اقوام کی عادات اور ان کی روز مرّہ کی رسوم و رواج کے تعارف میں ایسے سینکڑوں اشتباہات سرزد ہوئے بھی ہیں۔ اور جہاں تک فلسفے کا تعلق ہے جو ایک خاص فنی مہارت بھی مانگتا ہے اور جس کے لیے فقط کسی زبان سے آشنائی اور چند کتابیں دیکھ لینا کافی نہیں ہے تو اس کا معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

9. اسلامی فلسفہ کی یورپی فلسفہ پر برتری

استاد مرتضی مطہری نے "اصول فلسفہ وروش ریالیسم" کی پہلی جلد کے مقدمہ میں اسلامی فلسفہ کی یورپی فلسفہ پر برتری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گیارہویں صدی ہجری (بمطابق سولہویں صدی عیسوی) میں جب ملّا صدرا ایران میں فلسفے کو اُلٹ پلٹ کر اس کی نئی عمارت کھڑی کر رہے تھے، عین اسی وقت یورپ میں بھی وہ عظیم علمی

فلسفی تحریک وجود میں آئی جس کے مقدمات چند صدیاں پہلے سے فراہم ہو چکے تھے۔ اور عین اسی زمانے میں کہ جب ملّا صدرا، قم کے پہاڑوں میں گوشہ نشینی کی زندگی گذارتے ہوئے فلسفی تأملات میں مشغول تھے، تاکہ اپنے افکار کو بہتر طریقے سے رشتۂ تحریر میں لاسکیں، یورپ میں فرانسیسی فلاسفر، ڈیکارٹ نے نیا راگ الاپا۔ اس نے قدماء کی تقلید کا پھندا اپنے گلے سے اتار پھینکا، ایک نئی ڈگر پر چلا اور کئی سال تک ہالینڈ کے ایک کونے میں گوشہ نشینی اختیار کی اور روزمرہ زندگی کے کاموں سے ہاتھ اٹھا کر اپنی عمر کو علمی کاموں کے لیے وقف کر دیا۔

ڈیکارٹ کے بعد یورپ بوکھلا دینے والی تیزی کے ساتھ علمی انکشافات میں کامیاب ہوا۔ تمام علمی میدانوں میں تحقیق کا اسلوب بدل گیا اور نئے مسائل کھل کر سامنے آئے۔ نیچرل سائنسز اور ریاضی میں شہرت پانے والے دانش مندوں کے علاوہ فلسفے کے میدان میں بھی یکے بعد دیگرے عظیم فلاسفر رونما ہوئے جنہوں نے فلسفے کو نئی وادیوں میں اتارا۔

یورپ کے اس جدید فلسفہ میں قرون وسطی کے قدیم فلسفی مسائل پر کمتر توجہ دی گئی اور اس کی جگہ چند جدید مسائل نے لے لی جو قدمأ کی توجہ جذب نہ کر پائے تھے۔ یورپ میں ڈیکارٹ سے لے کر اب تک کئی فلسفی مکاتب وجود میں آئے اور کچھ لوگ ہر مکتب کے پیروکار بھی رہے۔ کچھ لوگوں نے *Rational Philosophy* کی پیروی کی تو کچھ نے فلسفی مسائل کو بھی سائنسی علوم کے دریچے سے دیکھا۔ بعض نے فلسفۂ اولیٰ اور حکمتِ الٰہی کو قابل بحث و تحقیق جانا اور اس باب میں آراٗ و نظریات پیش کیے، جبکہ بعض نے یہ دعوی کیا کہ انسان سرے سے ان مسائل کو درک کرنے سے عاجز ہے اور اس باب میں نفی یا اثبات میں جو کچھ کہا گیا ہے، سب بے دلیل ہے۔ کچھ لوگ اپنے عقائد میں الٰہی بن گئے تو کچھ مادی۔

یورپ میں فنِ فلسفہ کی قابل غور پیشرفت نہ ہونے کے حوالے سے استاد مطہری لکھتے ہیں کہ:

> "کلی طور پر اُس فن میں کہ جو قدیم الایام سے "فلسفۂ حقیقی" یا "علم اعلیٰ" کے نام سے معروف ہے، یعنی وہ فن جس میں عالم ہستی کے کلی نظام میں تحقیق اور عالمِ وجود کے آغاز و انجام کی توضیح بیان کی جاتی ہے، اِس فن میں یورپ میں، خواہ قرون وسطی میں خواہ جدید دور میں، کوئی قابل ملاحظہ پیشرفت نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی ایسا مضبوط اور قانع کنندہ نظام سامنے آسکا جو فلسفے کو انتشار سے نجات دلاتا۔ یہی وجہ تھی کہ یورپ میں ضد و نقیض فلسفی مکتب سامنے آئے۔ ہاں! یورپ میں ہونے والی تحقیقات میں سے جو کچھ اب بھی مطالعہ کے قابل اور تحسین و تمجید کے لائق ہے اور فلسفے کے نام پر شہرت پا گیا ہے، درحقیقت، وہ فلسفہ نہیں، بلکہ ریاضیات، فزکس یا نفسیات سے مربوط مسائل ہیں۔"[12]

بنابریں، استاد مرتضی مطہری کے نکتہ نظر سے حق و انصاف کی بات تو یہ ہے کہ فلسفے کے میدان میں مسلمان فلاسفرز نے تحقیق پر زیادہ وقت صرف کیا ہے اور اِس کام کو بخوبی انجام دیا ہے۔ انہوں نے یونان کے ادھورے فلسفے کو بھی کافی آگے بڑھایا اور جب یونانی فلسفے نے عالم اسلام میں قدم رکھا تو اُس کے پاس دو سو سے زائد فلسفی مسائل نہ تھے، لیکن عالم اسلام میں آکر اسی فلسفے کے مسائل کی تعداد سات سو سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ، بنیادی ترین مسائل میں بھی استدلال کے اسلوب یونانی روش سے ہٹ چکے ہیں اور اب تو فلسفی مسائل نے ریاضی کے مسائل کا رنگ اپنا لیا ہے۔ صدر المتألہین کے فلسفہ میں یہ خصوصیت تقریبا قابل مشاہدہ ہے اور یہ حق بات برملا کہنا چاہیے کہ اس وادی میں مسلمان فلاسفرز، دیگر دانش مندوں سے بہت آگے ہیں۔

یہ وہ مطالب ہیں جو اس کتاب کے مقالات کے اُس سلسلہ میں جو پیش کیا جا رہا ہے، اپنے دلائل و شواہد کے ساتھ قاری پر واضح ہو جائیں گے۔

*****

References

1. Allama Syed Muhammad Hussain Tabatabaie, *Usool-e Falsafa wa Rawish-e Realism*, Vol. 1 (Tehran, *Intesharat-e Sadra*, 1393 SH.), 10.

علامہ سید محمد حسین، طباطبائی، اصول فلسفہ وروش رئالیسم، جلد1 (تہران، انتشارات صدرا، 1393ھ، ش)، 10۔

2. Ibid.

ایضاً۔

3. Ibid.

ایضاً۔

4. Ibid, 12.

ایضاً، 12۔

5. Ibid.

ایضاً۔

6. Ibid, 13.

ایضاً، 13۔

7. Ibid, 14.

ایضاً، 14۔

8. Ibid.

ایضاً۔

9. Ibid, 14-15.

ایضاً، 14، 15۔

10. Ibid, 16.

ایضاً، 16۔

11. Ibid, 15.

ایضاً، 15۔

12. Ibid, 17-18.

ایضاً، 17، 18۔

ذکری فرقہ: تاریخ، عقائد و رسوم

Zikri Sect: History, Beliefs and Traditions

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Amjad Abbas Mufti
Research Scholar, Jamia Al-Mustafa Al-Alamiya, Qom
E-mail: amjadabbas@gmail.com

Abida Bibi
Research Scholar, Bint Al Hadi College of Education, Qom
E-mail: abidajjaffri512@gmail.com

Abstract:
There are millions of followers belonging to the "Zhikri" sect in Pakistan's Baluchistan province, especially in Makran Division and Sindh, as well as in Iranian Balochistan. Not much material is available about the history and teachings of the Zikri sect, hence little information is available about the sect. This sect is counted among those sects and traditions, whose tradition was transmitted from breast to breast.
The reason for naming this sect as “Zikri” is their frequent mention of God. There is no exact information about the date of the beginning of this sect and its founder, there is also a difference in the accounts. Due to the greater emphasis on the remembrance of God, the place of worship of the dhikrs is also called the "zikrkhana".

Key words: Zikri, Sect, Baloch, Mehdi.

خلاصہ
پاکستان کے صوبے بلوچستان، خاص کر مکران ڈویژن اور سندھ میں، نیز ایرانی بلوچستان میں "ذکری" فرقے سے وابستہ لاکھوں پیروکار موجود ہیں۔ ذکری فرقے کی تاریخ اور تعلیمات کی بابت زیادہ مواد دستیاب نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے اس فرقے کے بارے میں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ اس فرقے کا شمار اُن فرقوں اور مسالک میں ہوتا

ہے جن کی روایت سینہ بہ سینہ منتقل ہوئی ہے۔
اِس فرقے کی وجہ تسمیہ، اِن کا کثرت سے ذکرِ خدا کرنا ہے۔ اس فرقے کے آغاز کی تاریخ اور اس کے بانی سے متعلق دقیق معلومات موجود نہیں ہیں؛ یہاں تک کہ اس بابت خود ذکریوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ذکرِ خدا پر زیادہ زور دینے کے سبب سے، ذکریوں کی عبادت گاہ کو بھی "ذکر خانہ" کہا جاتا ہے۔
پیش نظر مقالہ میں جس حد تک ممکن تھا، اس فرقے کا تعارف کروایا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: ذکری، فرقہ، بلوچ، مہدی۔

ذکری فرقہ کی وجہ تسمیہ

ذکری اسکالر عبد الغنی بلوچ "ذکری فرقہ، وجہ تسمیہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ ذکری کے نام سے مشہور ہے اور یہی اس فرقہ کی وجہ شناخت ہے۔ دراصل لفظ ذکری، ذکر سے نکلا ہے۔ اس فرقے کے لوگوں کو ذکری اس لیے کہا جاتا ہے کہ ذکری فرقہ کے بانی نے ذکرِ خدا پر بہت زور دیا۔ ذکری اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اللہ کا ذکر باقاعدگی کے ساتھ انجام دے اور ذکرِ خداوندی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سانسوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ جاری رکھے۔ چنانچہ ذکری، ذکر خداوندی بجالانے اور کثرت سے ذکر کرنے کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہو گئے اور یہی اس فرقہ کی وجہ تسمیہ ہے۔[1]

ذکری فرقہ کی مختصر تاریخ

ذکری فرقہ کے آغاز کی بابت دقیق معلومات دستیاب نہیں ہیں؛ البتہ بعض ذکری محققین کے نزدیک، ان کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ذکری فرقہ کے مذہبی و روحانی پیشوا، خواجہ سید عیسیٰ نوری نے ذکری فرقے کی تاریخ کی بابت پوچھے گئے میرے سوال کے جواب میں لکھا کہ جہاں تک ذکریت کی تاریخ کا تعلق ہے تو (وہ) منظّم اور مرتب صورت میں کہیں دستیاب نہیں ہے۔ قدیم شعراء کے کلام، متفرق ذکری (قلمی) نسخوں میں درج واقعات، خارجی مؤرخین کی رائے اور برصغیر میں رونما ہونے والے عصری واقعات وغیرہ (جیسے) مواد کو کڑی در کڑی ملانے کے بعد اس کے ڈانڈے دسویں صدی ہجری تک چلے جاتے ہیں۔
اسی طرح ذکری محقق عبد الغنی بلوچ لکھتے ہیں کہ ذکری تاریخ تقریباً چھ سو سال پرانی ہے۔ اس فرقہ کے ماننے والوں کو ذکری کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ذکری زیادہ تر بلوچستان اور خاص طور پر مکران کے ساحلی علاقوں میں آباد ہیں۔ قدیم زمانے سے چند آبادیاں نقل مکانی کرکے مسقط اور عرب امارات میں رہ رہے ہیں۔ کراچی میں ان

کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ سندھ میں شہداد پور اور سانگھڑ میں آباد ہیں۔ ایرانی بلوچستان کے جنوب مشرق میں ان کی کافی آبادی ہے۔ ان کی تعداد کے بارے میں صحیح مردم شماری نہیں ہو سکی۔[2]

بلوچستان سے تعلق رکھنے والے صحافی محمد اکبر نوتیزئی اپنے ایک مضمون میں ذکریوں سے متعلق لکھتے ہیں:

> "ذکریوں کی اکثریت بلوچ ہے جو بلوچستان کے جنوبی حصے میں مکران نامی علاقے میں رہتے آرہے ہیں۔ مکران کے علاوہ ان کی بستیاں آواران، خضدار، لسبیلہ، کراچی، اندرون سندھ اور ایران کے سیستان و بلوچستان کے خطے میں بھی ہیں۔ غیر سرکاری طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ذکری بلوچوں کی عالمی آبادی لگ بھگ ساڑھے سات لاکھ ہے۔ ان میں سے زیادہ تر خاص بلوچستان میں رہائش پذیر ہیں۔"

وہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے، لکھتے ہیں:

> "حکیم بلوچ، جو ایک بڑے بلوچ مصنف اور بلوچستان کے سابق چیف سیکریٹری رہے ہیں، نے مجھے بتایا کہ ذکری مصر کے فاطمی مسلک سے آئے تھے۔ اس عبارت کے مطابق، انہوں نے پورے ایران کا سفر کیا اور صدیوں قبل مکران کے ساحل پر پہنچے۔ انہوں نے مجھے مختصراً بتایا کہ وہ ایک مسلم فرقے سے تھے اور آپ ان کی توضیح بہ آسانی شیعہ یا سنی کے طور پر کر سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ ان دونوں کے درمیان کی شے ہیں۔"۔ حکیم بلوچ نے کہا، "میری رائے میں، ذکری خالصتاً بلوچ ہیں، اور وہ بلوچ ثقافت کے بہترین نمائندوں میں سے ہیں۔"[3]

بعض ذکری سکالرز کے مطابق اس وقت پاکستان میں ان کی آبادی ایک ملین سے دو ملین افراد پر مشتمل ہے۔

جماعتِ اسلامی، بلوچستان کے رہنما عبدالحق بلوچ کا بھی کہنا ہے کہ ذکری فرقہ کا اسماعیلی شیعہ فرقہ سے گہرا تعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ فی زمانہ یہ اسی "ذکری" کے نام سے متعارف ہیں؛ تاہم ماضی کی روایات و اساطیر میں اِن کا ایک اور نام ڈاہی بھی ملتا ہے جو اصل میں "داعی" ہے۔ داعی ایک خالص "باطنی" اصطلاح ہے جو باطنیوں کے ساتھ ذکریوں کے ایک بنیادی تعلق کی نشاندہی کرتا ہے اور ذکری بھی ایک زمانے میں اسی داعی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ اسی نسبت سے اُن کے (ہاں رائج مذہبی سرگرمی) "چوگان" کا مشہور بول ہے "اجیبوا داعی اللہ" یعنی اللہ کے داعی کی اجابت کرو اور اس کے جواب میں شرکاءِ چوگان "جی داعی اللہ" کہہ دیتے ہیں۔ (ذکریوں کے مقدس مقام) کوہِ مراد کی تعریف میں اُن کا ایک مشہور شعر ہے۔

"داعی"در اینجا اقامت نمود　　　　قدم در قیام و سرش در سجود

ذکریوں کے مشہور شاعر شے محمد قصر قندی کے یہ دو شعر بھی اسی نام کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ اس لیے بھی زیادہ

اہم ہیں کہ شے محمد قصر قندی گیارھویں صدی ہجری کے ہیں، جو اس دین (یعنی ذکری فرقہ) کا ابتدائی دور ہے۔[4]
عبدالحق بلوچ صاحب کا کہنا ہے کہ ذکری فرقہ کا مرکز، مکران قرار پایا۔ عہدِ قدیم میں مکران، موجودہ مکران ڈویژن کے علاوہ، ایران تک پھیلا ہوا، ایک نیم آزاد خطہ سلطنت اور ایرانی بادشاہوں کے زیرِ اثر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۳ ہجری بمطابق ۶۴۳ء، حضرت عمر کے عہد میں اسے فتح کر لیا گیا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ، مکران کے مشرقی اور ساحلی علاقوں پر مسقط اور دیگر عرب علاقوں سے آنے والے خوارج نے اپنی حکومت قائم کر لی۔
یہاں خوارج کی حکومت ۳۴۰ ہجری بمطابق ۹۵۱ء میں معدان بن عیسیٰ سے شروع ہو کر ۱۲۷ سال تک قائم رہی اور ۴۷۱ ہجری بمطابق ۱۰۷۸ء میں معدانی خاندان کے آخری حاکم حُسین بن معدان پر غوریوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ اُسی زمانے میں مکران کے شمالی اور مغربی علاقے جو آج کل ایرانی بلوچستان کے حصے ہیں، اسماعیلیہ کی سرگرمیوں کا مرکز قرار پائے۔
تاتاریوں کے حملے کے بعد مکران میں مختلف خاندانوں نے حکومت کی۔ پہلے ہوت خاندان کی حکومت تھی، ان کے بعد ملک آ گئے۔ ملک میرزا کی حکومت کا ۱۰۳۵ ہجری بمطابق ۱۶۲۵ء تک سراغ ملتا ہے۔ ان کے بعد بلیدی آ گئے۔ بلیدیوں کی حکومت ۱۱۳۵ ہجری، بمطابق ۱۷۴۰ء پر ختم ہو گئی اور گچکی حکومت نے اس کی جگہ لے لی۔ بلیدی عربی النسل تھے اور ان کا نسبی رشتہ مسقط کے بوسعیدیوں سے ملتا تھا، جبکہ گچکی، ہندی الاصل راجپوت اور مذہباً ہندو تھے۔[5]
حکیم بلوچ اور عبدالحق بلوچ کے اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ ذکری، شیعی الاصل ہیں۔ ذکری فرقہ، بلوچوں پر مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ذکری، بلوچ ہیں اور بلوچ، ذکری ہیں؛ چنانچہ ذکری فرقہ کے عقائد و نظریات سمجھنے کے لیے بلوچوں کے مذہبی پس منظر کا جاننا از حد ضروری ہے۔ ذکریوں کی طرح، بلوچوں کے بارے میں بھی مستند تاریخی مواد شاید بمشکل دستیاب ہو؛ البتہ ایک بلوچی نظم کثرت سے بلوچ محققین نے نقل کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ بلوچ، اہلِ بیتِ نبوی سے عقیدت رکھنے والے، شیعیانِ علیؑ تھے۔ اُنھوں نے یزیدی حکومت کے خلاف قیام کیا اور لڑتے لڑتے، مکران کے علاقے میں جا گزین ہوئے۔

بلوچ؛ تاریخ و مذہبی پس منظر

بلوچوں کی اصل کے بارے میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، اس کا اعتراف، بلوچوں کے تاریخ نگاروں نے کیا ہے۔ بلوچ صحافی، سکالر ربنواز بلوچ نے اپنے ایک مضمون میں سب اقوال کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے:
سکنی اعتبار سے بھی بلوچ وادی بلوص کے رہنے والے ہیں۔ یہ وادی شام میں حلب کے قریب ایران کی سرحد کے ساتھ واقع ہے۔ خاص بلوچوں کے نسب کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ہے پوٹنگر اور خانیکوف کا خیال ہے کہ یہ

ترکمان نسل سے ہیں۔ برٹن، لینس، اسپیگل اور ڈیمز کا خیال ہے کہ یہ ایرانی نسل سے ہیں سرٹی۔ ہولڈچ کا خیال ہے کہ یہ نسلاً عرب ہیں۔ ڈاکٹر بیلو نے انہیں راجپوت لکھا ہے پروفیسر کین کے خیال میں وہ تاجک نسل سے ہیں۔ ماکلر نے ثابت کیا ہے کہ بلوچ مکران کے قدیم باشندوں کے باقیات ہیں اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ رند بلوچ نہیں ہیں بلکہ نسلاً عرب ہیں اور الحارث العلافی کی اولاد ہیں۔ سردار محمد خان گشکوری نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ بلوچ کلدانی اور بابلی ہیں اور مشہور حکمران نمرود کی نسل سے ہیں۔[6]

متعدد تاریخ نگاروں کی طرح، ربنواز بلوچ کا بھی ماننا ہے کہ خود بلوچوں کے پاس ایک نظم کے سوا کوئی قدیم مواد نہیں (جسے بلوچ، دفتر کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ سولہویں صدی عیسوی کی تخلیق کہی جاتی ہے۔ اسے بلوچوں کی تاریخ اور احوال لکھنے والوں نے نقل کیا ہے۔ اسے بلوچی حسب و نسب پر اولین ماخذ کا درجہ حاصل ہے)۔ اس نظم میں آیا ہے کہ بلوچ امیر حمزہؓ کی اولاد ہیں اور حلب سے آئے ہیں۔ اس میں مزید یہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا تھا اور ان کی شہادت کے بعد وہ بامپور یا بھمپور پہنچے اور وہاں سے سیستان اور مکران آئے۔ اس نظم کا ایک حصہ ملاحظہ فرمایئے:

بلوچی	اردو ترجمہ
اولا میر حمزہؓ ھینگوں	ہم امیر حمزہ کی اولاد ہیں
سوب درگاہءَ گوترانت	نصرت ایزدی ہمارے ساتھ ہے
اش حلبءَ پادکایوں	ہم حلب سے اٹھ کر آئے ہیں
گوں یزیدءَ جیڑوانت	یزید سے لڑنے کے بعد کربلا اور بمبور
کلبلا بھمپور مس نیامءَ	کو پیچھے چھوڑ کر سیستان کے
شہر سیستان منزل انت	شہر میں ہم نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔[7]

بلوچ محقق ڈاکٹر غفور جا کر بلوچ لکھتے ہیں کہ بلوچ کون ہیں؟ اُن کی اصلیت کیا ہے؟ کس کی اولاد ہیں؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ اس حوالے سے ہمیں تاریخ میں اختلاف نظر آتا ہے اور ان کے بارے میں اتنے زیادہ مفروضے اور نظریئے پیش کیے گئے ہیں کہ معاملہ الجھ کر رہ جاتا ہے اور کسی بھی مفروضے پر کوئی ایک حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے؛ لیکن بنو امیہ کے دور میں اُن کی دوسری اور تیسری ہجرت پر تقریباً تمام قدیم وجدید مؤرخین کا اتفاق ہے۔

عصر جدید کے چند مؤرخین نے نئی تھیوریز پیش کی ہیں۔ کسی نے بلوچوں کو آرین کہا تو کوئی انہیں چند نسلی خصوصیات

کی بناپر راجپوت گردانتا ہے۔ کسی نے اُنھیں سامی النسل کہا تو کوئی انھیں دراوڑ نسل ثابت کرتا ہے اور ان کے تانے بانے ہندوستان کے تاملوں سے ملاتا ہے۔ایک گروہ انہیں کرد مانتا ہے تو دوسرا گروہ انہیں عربی النسل قرار دیتا ہے۔ اگر آپ قدیم عرب تاریخ دانوں کا مطالعہ کریں یا قدیم ایرانی ماخذوں کا جائزہ لیں یا بلوچوں کی اپنی بیان کردہ سینہ بہ سینہ شاعری و روایات کو پڑھیں یا بلوچی لوک داستانوں کا جائزہ لیں یا ان کے علاقوں میں موجود علاقائی و جغرافیائی آثار کو ملاحظہ کریں یا پیچ اور ڈیمز کے جمع کردہ اشعار و بیلارڈز کو دیکھیں، ان سب میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر ملے گی وہ یہ ہے کہ بلوچ حلب کے رہنے والے تھے۔ اسلام کے ظہور کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا اور واقعہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بلوچوں پر اماموں کی حمایت کرنے کی وجہ سے مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے، جس کی وجہ سے انھیں حلب سے ہجرت کرنا پڑی اور وہ عراق و کرمان اور سیستان سے ہوتے ہوئے موجودہ بلوچستان پہنچے۔ یہ تو وہ مشترک تھیوری ہے جس پر عصرِ جدید کے بلوچیات کے تقریباً تمام ماہرین متفق ہیں۔[8]

ذکری عقائد و نظریات

ذکری فرقہ بنیادی طور پر باطنی، صوفی روش کا حامل فرقہ ہے، اس کی تعلیمات مخفی اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوئی ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ، اس فرقے نے اپنی تعلیمات کو مدون نہیں کیا۔ ان کے مخطوطے محفوظ نہیں ہیں۔ ذکریوں کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اِن پر تہمتیں اور الزام بھی لگائے جاتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں اس فرقے سے وابستہ افراد کی مختلف توجیہیں بھی سامنے آئی ہیں، جنہیں اجمالی طور پر ذکر کیا جائے گا۔ اس فرقے کی تعلیمات اور اس سے وابستہ رسوم کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں باطنیت، تصوف اور مقامی تہذیبی اثرات موجود ہیں۔ اب ہم ذکریوں کے بنیادی عقائد و نظریات بیان کرتے ہیں۔

مہدویت

اس فرقے کی بنیاد عقیدہ مہدویت پر ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ مہدویت اور "ذکرِ خدا" یہ اس فرقے کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ذکری فرقہ، مہدی کا پیروکار ہے؛ تاہم مہدی کی تعیین میں اختلاف موجود ہے۔

"مہدی" کی تعیین

ذکری فرقہ خود کو "مہدی" کا پیروکار سمجھتا ہے۔ مہدی کی تعیین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ خود ذکری مسلک میں اس حوالے سے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر مہدی کے حوالے سے تین نظریات موجود ہیں۔

الف: مہدی "نور پاک" ہیں۔

زیادہ تر ذکری حضرات "مہدی" کے نور ہونے کے قائل ہیں اور اُسے "نور پاک" سمجھتے ہیں۔ مخالفین ذکریوں کو اسی مناسبت سے "نور پاکی" بھی کہتے ہیں۔ ذکریوں میں اکثریت اسی نظریے کے ماننے والوں کی ہے۔ ذکری پیشوا سید نصیر ملائی کے بقول نوے فیصد ذکری، ایک غیبی مہدی پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس کے بھی معتقد ہیں کہ وہ قیامت سے پہلے، واپس آئیں گے۔ اسی حوالے سے پسنی، بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ذکری سکالر، جی ایس (غلام سرور) بزنجو بجارانی، امام مہدی سے متعلق اس عنوان "نور پاک نور محمد مہدی صاحب زمان کے بارے میں ذکریوں کا عقیدہ" کے تحت لکھتے ہیں:

کہتے ہیں کہ حضرت نور مہدی آسمان سے تشریف لائے اور وہ یقین کامل رکھتے ہیں کہ نور السموات والارض (نے) جب آدم کے لئے مشتِ خاک زمین سے لیا تو اس دن زمین سے وعدہ کیا گیا کہ نور مہدی اپنا قدم مبارک زمین پر لائیں گے، اسی روز اول سے آپ کا لقب موعود ہوا۔ جہاں (تک) مہدی موعود کے بارے میں ذکریوں کا عقیدہ ہے یہ وہی عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرب قیامت مہدی آئیں گے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان سے زمین پر اتریں گے۔ حضرت مہدیؑ امامت فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰؑ، نور مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک مرسل کامل اور اس کی پیدائش روح القدس سے ہوئی، نور مہدیؑ کے پیچھے ہوں گے اور مہدیؑ امام رہیں گے، حضرت مہدیؑ کے نور ہونے اور اس کی بزرگی و برتری کی شہادت دینے کے لیے یہی کافی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورہ رحمٰن میں جس عظیم شخصیت کا حوالہ دیا ہے وہی مہدیؑ صاحب زمان ہیں، اس لیے یہ عقیدہ ذکری نور مہدیؑ کا بصورت نورانی، انسان بن کر آسمان سے زمین پر تشریف لائے، صداقت پر مبنی کی دلالت کرتا ہے۔ جن جن لوگوں کو عقلیہ و علمیہ کامل تھا یا جو فقیر و درویش تھے روحانیت کی فیض سے انہیں اس نور حقیقت کی آمد کا علم ہوا، انہوں نے زیارت کی اور ایمان لائے، جو آج تک یہ راز پردے میں ہے اور لوگوں کو اس کی آمد کا انتظار ہے۔ آخر تا کجا۔ نور محمد مہدیؑ صاحب زمان ہیں۔[9]

تربت سے تعلق رکھنے والے سید نصیر احمد ملائی جو ذکری فرقہ کے مذہبی و روحانی پیشوا ہیں، اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہم (ذکری) نظریہ امامت کے قائل ہیں۔ اس لیے ہم امتِ مہدی بھی کہلاتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ امام معصوم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہوتا ہے اور نمائندہِ الٰہی کہلاتا ہے۔ وہ علمِ لدنی کا مالک ہوتا ہے۔ وہ کائنات کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔ (وہ) قرآن کا مفسر اور شریعت کا شارح ہے، وہ انسانوں کی رہبری و رہنمائی کرتا ہے اور سنتِ نبوی کا احیا کرتا ہے۔[10]

مہدی کو نور پاک کہنے کی بابت سید نصیر ملائی لکھتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے امام ہادی و مہدی علیہ الصلاۃ و السلام "نور" ہیں۔ اس لیے ہم اپنی مقامی بلوچی اصطلاح میں انہیں "نور پاک" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جس طرح برصغیر کی مقامی اصطلاح میں محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین علیہم السلام کو پنجتن پاک کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے آپ کو اور آپ کے آبائے طاہرین کو اپنے خاص نور سے بنایا ہے اور جب یہی نور انسانی شکل میں خداوند عالم کے نمائندہ کی حیثیت سے دنیا میں آیا تو یہ انسانی شکل میں خاص طیب و طاہر تھا۔[11]

سید نصیر ملائی نے صراحت سے لکھا ہے کہ قرآن و حدیث میں امام مہدیؑ کی پہچان ائمہ اہل بیتؑ میں بارہویں امام کے طور پر کروائی گئی ہے۔[12] سید نصیر ملائی کا کہنا ہے کہ "نور پاک" دراصل ائمہ اہل بیت میں سے بارہویں امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ سید صاحب نے "تحریک پیروانِ امام مہدی" کی بنیاد بھی رکھی ہے اور شدت سے اس نظریے کی ترویج بھی کر رہے ہیں۔ آپ نے معرفتِ امام مہدیؑ پر ایک الگ کتاب تحریر فرمائی ہے جس میں تفصیل سے امام مہدیؑ کا تعارف کروایا ہے؛ نیز آپؑ کی غیبت اور ظہور کی علامات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ چونکہ ہم ذکریوں کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام "نور پاک" ہیں، اس لیے اب جو بھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اُسے خود کو "نور" اور "پاک" ثابت کرنا ہو گا۔[13]

ذکری عوام کی اکثریت مہدی کے "نور پاک" ہونے کی قائل ہے۔ بعض ذکری ملائیوں (مذہبی علما، مشائخ) کے مطابق، وہ مہدیؑ نور پاک دراصل ائمہ اہلِ بیت میں سے بارہویں امام، حضرت مہدی علیہ السلام ہیں، جو قیامت سے پہلے، دنیا میں ظہور فرمائیں گے۔

ب: سید محمد جون پوری، "مہدی" ہیں

بلوچ سکالر ریاض احمد کے مطابق اس نظریے کے ماننے والے چند جدت پسند تعلیم یافتہ ذکری ہیں۔[14] اس نظریے کی رو سے ذکری اور (سید محمد جون پوری کا) مہدوی فرقہ ایک قرار پاتے ہیں۔ پہلے ہم اختصار سے مہدوی فرقے کے سربراہ، سید محمد جون پوری کا تعارف پیش کیے دیتے ہیں:

سید محمد جون پوری

سید محمد جون پوری، میر سید خان کے صاحب زادے تھے۔ آپ ۸۴۷ھ (۱۴۴۴ء) کو ہندوستان کے صوبے اترپردیش کے شہر جونپور میں پیدا ہوئے۔ شروع سے بہت ذہین و فطین تھے۔ چنانچہ بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ تحقیقِ مسائل اور مناظرے کا شوق اس حد تک تھا کہ ان کے معاصر انہیں "اسد العلما" کہہ کر پکارتے تھے۔ زبان میں جادو اور بیان میں تاثیر تھی۔ انہوں نے 905ھ میں "مہدی" اور "امام عہد" ہونے کا دعویٰ کیا جس پر علمائے وقت

نے ان کی شدید مخالفت کی۔ جائے پناہ کی تلاش میں بنگال، مالوہ، گجرات، دکن میں پھرتے رہے لیکن ہر جگہ علماء نے ان کا تعاقب کیا۔ وہ حج کرنے کو حجاز چلے گئے اور واپسی پر احمد آباد گجرات میں قیام اختیار کیا۔
ان کے وعظ و تذکیر سے برانگیختہ ہو کر علماء نے سلطان محمود بیگڑہ سے شکایت کی کہ یہ لوگوں کو خلاف شریعت تعلیم دے کر گمراہ کر رہا ہے۔ اس پر سلطان نے ان کو جلاوطن کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ یہ بے چارے پھر سفر پر روانہ ہوئے۔ جب انہوں نے کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ پائی تو سندھ کی راہ لی اور یہاں بھی وہی صورت پیش آئی۔ علماء کے بھڑکانے پر حاکم سندھ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ جان تو درباریوں کی کوششوں سے بچ گئی لیکن انہیں سندھ بھی چھوڑنا پڑا۔ یہاں سے قندھار پہنچے اور وہاں سے فراہ (خراسان)۔ پھر وہاں آپ 63 سال کی عمر میں 19 ذی القعدہ 910ھ (23 اپریل 1505ء) کو انتقال کر گئے۔[15]

ذکری مہدوی

ریاض احمد مزید لکھتے ہیں کہ آج کل ملائیوں (ذکری علما و مشائخ) میں صرف سید عیسیٰ نوری اور کچھ نسبتاً پڑھے لکھے لوگ اس جون پوری نظریہ کو مانتے ہیں ورنہ باقی ذکری، جون پوری کو نہ اپنا پیغمبر مانتے ہیں اور نہ ہی امام؛ بلکہ نوے فیصد سے زیادہ ذکریوں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا ہے۔[16]
انڈیا کے مہدویوں اور بلوچستان کے ذکریوں کے مابین رابطے کے حوالے سے بعض ذکریوں کا کہنا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد، انڈین مہدوی عالم، شہاب الدین نے مکران کا دورہ کیا اور ذکری ملائی عبدالکریم شاہ کو باور کروایا کہ جس مہدی کے آپ پیروکار ہیں، وہ وہی مہدیؑ ہیں جسے ہم مانتے ہیں، "نور پاک نور محمد مہدیؑ" سید محمد جون پوری ہی ہیں۔ یوں بعض ذکریوں نے سید محمد جون پوری کو اپنا مہدیؑ تسلیم کر لیا۔ پسنی سے تعلق رکھنے والے ذکری مذہبی و روحانی پیشوا واجہ سید عیسیٰ نوری اور نوجوان ذکری سکالر، عبدالکریم دوست بھی سید محمد جون پوری کو ذکری مہدی قرار دیتے ہیں۔
سید محمد جون پوری کو "مہدی" جاننے والے ذکری حضرات نے "آل پاکستان مسلم ذکری انجمن" قائم کر رکھی ہے، جس کا مرکزی دفتر کراچی میں ہے۔ اس انجمن نے متعدد کتب و رسائل بھی شائع کیے ہیں۔ مہدوی ذکری سکالر، عبدالغنی بلوچ، دلچسپ انداز میں مہدوی اور ذکری فرقے کو ایک قرار دیتے ہیں؛ وہ پہلے ان دونوں کے ایک ہونے کا گمان (احتمال) پیش کرتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یقین کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں، بعد ازاں فرماتے ہیں کہ یقیناً ذکری مہدوی فرقے کے بانی سید محمد جون پوری ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں کہ جن ایام میں مہدوی تحریک ہندوستان میں بام عروج پر تھی، انہی دنوں میں ذکری فرقہ مکران میں خوب

شہرت حاصل کر چکا تھا۔ یہ بات قرین از قیاس ہے کہ دونوں تحریکوں میں یکسانیت اور مماثلت ہو سکتی ہے اور گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ہی تحریک تھیں۔[17]

چند صفحات کے بعد، آپ لکھتے ہیں کہ چند برس پہلے ذکری اور مہدوی فرقہ جب پہلی مرتبہ روشناس ہوئے تو شوق تجسّس بڑھا کہ کہیں یہ دونوں فرقے نظریاتی طور پر ایک ہی امام کے ماننے والے تو نہیں، جب ان کے علما سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور تاریخی تجزیہ کیے تو یہ بات عیاں ہو گئی کہ مہدوی اور ذکری عقائد کے بانی سید محمد جونپوری ہی ہیں۔ میں یقین کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک ہی تحریک ہے۔[18]

چند سطور کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ ذکری اور مہدوی کے ایک فرقہ ہونے کا ثبوت ایک قدیم تاریخی دستاویز بنام تاریخ خاتم سلیمانی قلمی نسخے سے حاصل ہوا۔ یہ دستاویز صدیوں سال قبل، حیدر آباد دکن سے ملک سلیمان نے ۱۲۷۷ھ میں تصنیف کی ہے۔ تاریخ سلیمانی میں مہدوی فرقہ کے بارے میں تمام تفاصیل موجود ہیں اور یقیناً ذکری مہدوی مسلک کے بانی سید محمد مہدی جونپوری ہی ہیں۔[19]

عبد الغنی بلوچ نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ چند اہلِ قلم دانشوروں کے مطابق، ذکری اور مہدوی تحریکیں الگ الگ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ کچھ دانشور جن میں چند ذکری اہل قلم بھی شامل ہیں، وہ ان (ذکری و مہدوی فرقوں) کو الگ تحریک سمجھتے ہیں اور کچھ توجیہات اور مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ ہر شخص کو آزادی تحریر کا حق حاصل ہے اور اپنا نقطہ نظر ظاہر کرنے کا اختیار ہے۔ کسی کی سوچ پر پابندی نہیں۔

بظاہر امام مہدیؑ کے سنِ پیدائش میں واضح فرق نظر آتا ہے جس کی وجہ سے عام خیال یہ ہے کہ یہ دونوں تحریک ایک نہیں ہو سکتے، وجہ کافی معقول ہے اور شک و شبہات کا پیدا ہونا لازمی ہے؛ لیکن تاریخی حوالوں سے ان میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ جہاں تک میں (عبد الغنی) سمجھ سکا ہوں میرے تجزیے کے مطابق یہ ایک ہی تحریک ہے اور ایک ہی تحریک کی کڑی ہے، جس کی ایک زنجیر کہیں ٹوٹی ہوئی لگتی ہے۔ اسے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ اس میں مزید چھان بین اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔[20]

بظاہر مہدوی فرقے اور ذکری فرقے میں صرف مہدی کا نظریہ مشترک ہے۔

ج: ملا محمد اٹکی "مہدی" ہیں

ذکریوں کی مخالفت میں جتنی کتب اور مواد شائع ہوا ہے، زیادہ تر میں، اس فرقے کا بانی ملا محمد اٹکی کو قرار دیا گیا ہے۔ پشاور یونیورسٹی سے ۱۹۹۸ء میں ایاز خان نامی سکالر نے "ذکری مذہب: ظہور، تعلیمات اور اثرات" کے نام سے تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی لکھا، اس میں وہ لکھتے ہیں "ذکری مذہب تقریباً چار سو پچاس سال پرانی تاریخ رکھتا ہے۔ اس مذہب کے اساسی ماخذوں کے مطابق اس کے بانی کا نام محمد اٹکی تھا جو پنجاب کے شہر اٹک سے تعلق

رکھتا تھا۔۔۔ ذکری منابع کے مطابق ملا محمد اٹکی کا ظہور (پیدائش) ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) میں ہوا ہے۔[21]
یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ذکریوں میں سے ایک محدود تعداد اس نظریے کی بھی قائل ہے۔ عصرِ حاضر میں ذکری سکالر اسحاق درازئی اور غلام قادر عیدو اس نظریے کے قائل ہیں۔ ملا محمد اٹکی کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں؛ بعض نے اُنہیں مہدی جون پوری کا مرید بھی شمار کیا ہے۔

ذکرِ خدا

کثرت سے ذکرِ خدا کرنے سے اس فرقے کا نام ہی ذکری پڑ گیا۔ یہی ذکر آج بھی ان کی پہچان ہے۔ ذکر و اذکار مختلف اوقات میں انفرادی اور اجتماعی طور پر انجام دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ، امام مہدیؑ کی توصیف اِن اذکار میں شامل ہوتی ہے۔

بنیادی ایمانیات

ذکری، دیگر اسلامی فرقوں کی طرح بنیادی ایمانیات (توحید، نبوت اور معاد) کا اعتقاد رکھتے ہیں اور خود کو مسلمان گردانتے ہیں۔ ذکری سکالرز نے اپنی کتب میں صراحت سے لکھا ہے کہ وہ قرآن مجید کو آخری اور غیر محرف کتاب جانتے ہیں، نیز ختمِ نبوت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

عبادات

ذکری، باقی مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادات بجالاتے ہیں، ہاں بعض عبادات کی ادائیگی کا ان کا طریقہ، باقی فرقوں سے قدرے ہٹ کر ہے۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو مشہور یہی ہے کہ ذکری نماز بجا نہیں لاتے، ذکری محققین کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "صلاۃ" اور "ذکر" آیا ہے، وہ "صلاۃ" ادا کرتے ہیں، دن میں پانچ وقت ذکرِ خدا انفرادی و اجتماعی طور پر بجالایا جاتا ہے، جس میں سورہ الحمد بھی شامل ہوتی ہے اور رکوع اور سجود بھی بجا لائے جاتے ہیں۔

اسی طرح ذکری حج کے بھی قائل ہیں اور ماہ رمضان کے علاوہ بھی مختلف ایام میں روزے رکھتے ہیں۔ مکران ڈویژن کے ضلع کیچ کے شہر تربت میں ذکریوں کی معروف زیارت گاہ "کوہِ مراد" موجود ہے، جہاں ماہ رمضان کی 27ویں شب کو مختلف جگہوں سے آ کر ذکری عبادت بجالاتے ہیں۔ اجتماعی اذکار میں ذکریوں کے ہاں "چوگان" معروف ہے، چاندنی راتوں اور دیگر مقدس راتوں کو گول دائرے کی شکل میں، رقص کے انداز میں حمدِ خدا اور امامِ مہدیؑ کے ذکر پر مشتمل اشعار دُہراتے ہیں۔

ذکریوں کا طریقہ عبادت اور مذہبی رسوم کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ صوفی فرقوں میں سے ہیں، جنہوں نے

باطنیت اور تاویل پر زیادہ زور دیا۔ اِن کی مذہبی رسوم میں بلوچ روائتی ثقافتی رنگ اور فارسی و بلوچی میں اذکار بھی شامل ہیں۔

ذکری، دیگر مسلمان گروہوں کی نظر میں

پاکستان میں موجود بعض فرقوں جیسے بریلوی، دیوبندی اور اہلِ حدیث نے ذکریوں کو بھی "غیر مسلم" قرار دیا ہے، اس حوالے سے اِن فرقوں کے مختلف دار الافتا نے اِن کی تکفیر کے فتاویٰ جاری کیے جو انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔ اِن فتاویٰ میں بھی بعض ذکری صوفی شعرا کے کلام اور بعض مجہول الانتساب کتابچوں، جن کا ذکری انکار کرتے ہیں، کو بنیاد بنا کر تکفیر کی گئی ہے۔ برصغیر میں موجود مسلم فرقوں پر لکھنے والے، نعیم اختر سندھو صاحب نے اِن کا ذکریوں کیا ہے "مسلم روایت کے وہ فرقے جنہیں امت مسلمہ عام طور پر مسلمان نہیں سمجھتی"۔[22]

بلوچ تاریخ اور ذکری مسلک پر گہری نگاہ رکھنے والے محقق جناب فہیم عباس جعفر نے ذکری مخالف، غیر جانب دار اور ذکری مؤلفین کی کتب کو مد نظر رکھ کر ذکریوں کی بابت مفصل بحث کا نتیجہ نکالا ہے کہ ذکری مسلمان مکاتبِ فکر میں سے شیعہ فرقے کی ذیلی شاخ ہیں۔[23]

بظاہر ذکری فرقے کے عقائد و رسوم شیعی اثنا عشری و نزاری اسماعیلیت، انڈین مہدویت، تصوف اور بلوچ ثقافت سے متاثر ہیں۔ اِس فرقے کی تعلیمات مدون نہیں نہ ہی اِس سے متعلق منظّم معلومات موجود ہیں۔ اس کی روایات صدری (سینہ بہ سینہ) منتقل ہوئیں۔ اِن کا مرکز پاکستان میں جنوبی بلوچستان، خاص کر مکران ڈویژن ہے، جہاں رسائی کسی قدر مشکل ہے، پھر مختلف ادوار میں مخالفین کی جانب سے ذکری لٹریچر کو ضائع کیا جاتا رہا، جس کے سبب سے ذکریوں میں بھی اختلافات در آئے ہیں۔

مزید برآنکہ، ذکریوں سے متعلق بہت جھوٹا بولا، گھڑا گیا ہے، یہ تاحال مذہبی انتہا پسندوں کے نشانے پر ہیں۔ بعض مجہول الحال صوفیوں کے اشعار اور کتابچوں کی اِن کی طرف نسبت دی گئی ہے، جس سے ذکری انکار کرتے ہیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ بعض دیگر فرقوں نے ذکریوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں کیں، یوں اِن سے متعلق کچھ حتمی رائے قائم کرنا خاصا دشوار ہے۔ ان کے بنیادی عقائد کے پیش نظر یہ کہنا درست ہو گا کہ انہیں امتِ مسلمہ کے وسیع دائرے سے خارج کرنا خطرناک ہو گا۔

*****

References

1. Abdul Ghani, Baloch, *Zikri Firqa ki Tarikh*, Chap. II, (Karachi, All Pakistan Muslim Zikri Anjuman, 2018), 73.

عبد الغنی، بلوچ، ذکری فرقہ کی تاریخ، چاپ دوم، (کراچی، آل پاکستان مسلم ذکری انجمن، 2018ء)، 73۔

2. Ibid, 40.

ایضاً، 40۔

3. Muhammad Akbar, Notizai, *Zikri kon?* Mutrajam Urdu: Latif Bilidi, Weblink: www.baluchsarmachar.wordpress.com/2016/10/04/who-are-the-zikris_urdu (Accessed April, 18, 2024).

محمد اکبر، نوتیزئی، ذکری کون ہیں؟ مترجم اردو: لطیف بلیدی

4. Abd al-Haq, Baloch, *Zikri Maslah*, Chap.I, (Lahore, Mutaba Dar al-Arooba, 1992), 9.

عبد الحق، بلوچ، ذکری مسئلہ، چاپ اوّل، (لاہور، مطبعہ دار العروبہ، 1992ء)، 9۔

5 . Ibid, 58 to 67.

ایضاً، 58 تا 67۔

6. Rabnawaz, Baloch, *Baloch Aqwaam Tarikh k Ahinay mein*, Weblink: Samachar.pk) Short Link: Shorturl.at/kqG08 (Accessed April, 18, 2024).

ربنواز، بلوچ، بلوچ اقوام تاریخ کے آئینے میں۔

7. Ibid.

ایضاً۔

8. Abdul Ghafoor, Chakar, *Zikri Tarikh Zikri Ahqaid*, Chapt. I, (Pakistan, Islamic Welfare Society, 2013), 6.

عبد الغفور، چاکر، ذکری تاریخ ذکری عقائد، چاپ اوّل، (پاکستان، اسلامک ویلفیئر سوسائٹی، 2013ء)، 6۔

9. Ghulam Sarwar, Bizenjo Bejarani, *Noor Tajli*, (Pasni, np., nd.), 58.

غلام سرور، بزنجو بجارانی، نور تجلی، (پسنی، ناشر ندارد، سن ندارد)، 58۔

10. Syed Naseer Kamalan, Mulai, *Humari Tarikh Humary Aqaid*, Chap. I, (Kech, Tehreek Pirwan Imam Mehdi, 1998), 39.

سید نصیر کمالاں، مُلائی، ہماری تاریخ ہمارے عقائد، چاپ اوّل، (کیچ، تحریک پیروان امام مہدی، 1998ء)، 39۔

11. Ibid, 71.

ایضاً، 71۔

12. 41.

ایضاً، 41۔

13. Syed Naseer Kamalan, Mulai, *Marafat Imam Mehdi*, (Kech, Tehreek Parwan Imam Mehdi, 2020), 120.

سید نصیر کمالاں، مُلائی، معرفت امام مہدی، (کیچ، تحریک پیروان امام مہدی، 2020ء)، 120۔

14. Riaz Ahmed, *Zikri Musalman Bhai Bhai?*, Chap. II, (Gwadar, Mantwar Publications and Publishers, 2019), 16.

ریاض احمد، ذکری مسلمان بھائی بھائی؟، چاپ دوم، (گوادر، منت وار پبلیکیشنز اینڈ پبلیشرز، 2019ء)، 16۔

15. Ibid, 44.

ایضاً، 44۔

16. Ibid, 46.

ایضاً، 46۔

17. Abdul Ghani, Baloch, *Zikri Firqa ki Tarikh*, 113.

عبد الغنی، بلوچ، ذکری فرقہ کی تاریخ، 113۔

18. Ibid, 116.

ایضاً، 116۔

19. Ibid, 117.

ایضاً، 117۔

20. Ibid, 121.

ایضاً، 121۔

21. Ayaz Khan, *Zikri Mazhab; Zahoor, Tahlimat aur Asraat*, (Peshawar, Shubah Islamiyat Jamia Peshawar, 1998), 33.

ایاز خان، ذکری مذہب؛ ظہور، تعلیمات اور اثرات، (پشاور، شعبہ اسلامیات جامعہ پشاور، 1998ء)، 33۔

22. Naeem Akhtar, Sindhu, *Hind-o-Pak mein Muslim Firqan ka Encyclopedia*, Chapter I, (Lahore, Bright Books Publishers, 2009), 465.

نعیم اختر، سندھو، ہندو پاک میں مسلم فرقوں کا انسائیکلوپیڈیا، چاپ اوّل، (لاہور، برائٹ بکس پبلیشرز، 2009ء)، 465۔

23. Faheem Abbas, Jafar, *Zikri kon?* Zakri Tarikh wa Aqaid pr aik Elmi wa Tehqiqi Mutalia, (Schengen., Imamia Islamic Council, 2011), 129.

فہیم عباس، جعفر، ذکری کون؟ ذکری تاریخ و عقائد پر ایک علمی و تحقیقی مطالعہ، (شنگن، امامیہ اسلامک کونسل، 2011ء)، 129۔

Editorial

The 62nd issue of quarterly research journal "*Noor-e- Marfat*", is here. Its 1st article is titled as "The 'Pure Life' in the shadow of Piety, Cleanliness and Repentance". In this article, the tips for leading a pure life are given. In fact, moral degradation and defilement of character is a great tragedy in the life of mankind. Yes, sometimes, the pure human nature awakens and invites man to lead a pure life with dignity and when man listens to this voice, the question arises for him is that how to make the life pure? The present study offers an answer to this question following the methodology of the interpretation of Qur'an by the Qur'an itself [*Tafseer-ul Qur'an bil-Qur'an*].

The writer concludes that the piety, cleanliness and repentance are the basic human qualities that bring a "Pure life" to man. The piety gives a person the insight and the patience. As a result, he gets the recognition of the correct way of life in the light of insight, while the patience gifts him the durability to improve all his affairs. As far as the "cleanliness", it not only protects against physical and external pollution, but also protects against pollution of thought and hypocritical attitudes also at its highest level.
The cleanliness, in fact, complements both piety and repentance. Instead of insisting on mistakes, it guides them on the path of correction and improvement, and thus, in the system of training of the Qur'an, the qualities of piety and repentance are invented in a person, which makes his life "The Pure Life" in the true sense.

The 2nd paper of the current issue titled "Models of Moderation in the Sayings of Imam Ali (A.S)" is also related to providing prosperity and welfare in human life. In this paper, the researcher claims that human life is limited to this world, nor can its prosperity and well-being be limited to a few days' worldly life.

Therefore, worldly life cannot be neglected, nor can it be called the ultimate goal. This is the reason why Islam has urged man to avoid all kinds of extremes in the world and adopt the path of moderation.

In Islamic ideology, "moderation" is the best moral attribute and it has been emphasized so much in the Qur'an and Sunnah; even Islam has commanded moderation not only in practice, but also in the belief.

Among the religious leaders, in the words of Hazrat Imam Ali (A.S), we see a lot of emphasis on adoption of the attribute of moderation. Imam (A.S) do not only verbally emphasize moderation, but it is clearly reflected in his character too. He also have a great level of asceticism, but at the same time, seem to be busy in settling the world and working hard. Keeping in view the importance of moderation, the writer describes the importance of "moderation" and its role in the well-being of human life in the light of the words of Imam Ali (A.S) and his golden sermons. He has presented the models of moderation in various aspects of life.

The 3rd paper of this issue, entitled "Divine Traditions for the Economic Education in Quran" examines the immutable laws of Allah that provide the means for economic training of man. In the beginning of this article, the difference between those Traditions [*Sunan*] of *Allah Ta'ala* which are related to the attributes of Allah almighty himself and those which are related to the actions of human beings has been clarified and then, according to the Qur'an, they divine traditions have been described which are closely related to the actions of man and his economic prosperity.

The writer concludes that in the light of the holy Qur'an, the human actions such as piety, trust, gratitude, charity, lending, and marriage are actions that are related to the tradition of increasing the sustenance of man by Allah. Similarly, it is the unchangeable

tradition of *Allah Ta'ala* that the more effort a person makes, the more wealth he will get. It is also a divine tradition that the wideness and the narrowness of sustenance of human beings is to be guided by their hidden interests. In the form of awareness of this fact, a person performs those actions that increase sustenance and avoids those actions that lead to its scarcity.

The 4th paper, which is a continuation of the series of articles taken from the book " Political History of Islam-Biography of the Messenger of the God" by professor *Rasool Jafarian*, under the title "Shia Biographers & Historians up to the 3rd Century (AH)". The present article sheds light on the role more or less 50 historical works of Shia historians. In addition, an introduction to 20 books compiled by the Shiites on the history and biography of the Prophets, particularly the holy Prophet (PBUH) has been introduced.

This paper, while introducing the two best types of historiography, namely "monograph" and "regular" historiography, claims that monograph form of the historical works was adopted by the historians such as Abu Makhnaf, Madani and Kalbi. While the second type of historiography, i.e. regular or periodic historiography, is the approach that was adopted in the third and fourth centuries by the historians such as Khalifa Ibn Khayat, Ya'qubi, Dinuri, and Tabari.

At the end, a detailed introduction to the historical works of Lut bin Yahya bin Saeed bin Makhnaf, known as "Ibn-e Makhnaf" is also presented in details in this paper.

The 5th paper under the title "Study of a few Pages from: "The Principals of Philosophy and The Methodology of Realism" (1) is a study of an important philosophical work from *Allama Tabatabai*'s book "*Usul-e Filsafah wa Roosh-e Realism*" with precious footnotes by professor *Murtaza Mutahari*. This article throws a light upon the 'importance of knowledge and its

sanctity', 'the reliability of knowledge and its opportunity for being errorless'.

In addition, the centrality of reasoning and the pursuit of certainty in Islamic philosophy have been also described as two prominent features of Islamic philosophy. Along with this, the subject of Islamic philosophy and some questions, the struggle to find the answer, is, in fact, the spirit of Islamic philosophy, has been introduced in this article.

In the present era, research on religions and sects, [*Maylal wa Nayhals*], is a lively topic. In this regard, the 6th article of the current issue, under the title "Zhikri Sect: History, Beliefs and Customs" presents an introduction to the "Zhikri" sect found in Pakistan's Baluchistan and Sindh provinces, as well as Iranian Baluchistan. According to the writer, the number of the people associated with this sect is in millions.

This sect is counted among the sects whose tradition has been going on from breast to breast. That is why not much material is available about the history and teachings of this sect. However, it has been known that the cause of naming this sect as "Zhikari", is frequent mention of God by the followers of this sect. In fact, Zhikaris lay great emphasis on remembrance of God and that is why their place of worship is called "*Zikr Khana*".

I hope the current issue of our research journal, "*Noor-e-Ma'rfat*" will prove to be a best source for researchers and readers. God willing.

Dr. Sheikh Muhammad Hasnain Nadir

Editor "*Noor-e-Ma'rfat*"

NATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Humauoon Abbas
Islamic Studies Department, Govt. College University, Faisalabad.

Dr. Hafiz Tahir Islam
Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Dr. Aafia Mehdi
Islamic Studies Department, National University of Modern Languages, Islamabad.

Dr. Syed Qandil Abbas
International Relations Department, Quaid-I-Azam International University, Islamabad.

Dr. Zahid Ali Zahidi
Islamic Studies Department, University of Karachi.

Dr. Muhammad Riaz
Islamic Studies Department, University of Baltistan, Skardu.

Dr. Muhammad Shakir
Psychology & Human Development Department, University of Bahawalpur.

Dr. Muhammad Nadeem
Ph.D. Education, Govt. Sadiq Egerton College Bahawalpur.

Dr. Raziq Hussain
Ph.D International Relations NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat. Islamabad.

INTERNATIONAL ADVISORY BOARD

Dr. Waris Matin Mazaheri.
Islamic Studies Department, Jamia Hamdard, New Delhi, India.

Dr. Syed Zawar Hussain Shah
Ph. D. Quranic Sciences and Hadith, Anjuman-e-Hussani, Oslo, Norway.

Dr. Syed Ammar Yaser Hamadani
Ph.D Quran & Law, Al Mustafa International University Iran.

Dr. Ghulam Raza Javidi
History Department, Katum-un-Nabieen University, kabul, Afghanistan.

Ghulam Jaber Mohammadi
Ph.D. Quran & Educational Sciences, Almustafa International University, Iran.

Dr. Ghulam Hussain Mir
Ph. D. Comparative Hadith Sciences, Almustafa International University, Iran.

Dr. Shahla Bakhtiari
History Department, Alzahra University, Tehran, Iran.

Dr. Faizan Jafar Ali
Urdu & Persian Organization Pura Maroof Mau U.P. India.

Editor-in-Chief & Publisher:
Syed Hasnain Abbas Gardezi
Chairman Noorul Huda Trust, Islamabad.

. MANAGERIAL BOARD

Editor:
Dr. Muhammad Hasnain Nadir
Ph.D. Islamic Theology & Philosophy, NoorulHuda Trust®, Islamabad.
Asst. Editor:
Dr. Nadeem Abbas Baloch
Ph.D. Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad.
Asst.Research Affairs:
Dr. Muhammad Nazir Atlasi
Ph.D. Quranic Sciences, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.
Advisor to Editor:
Dr. Sajid Ali Subhani
Ph.D. Arabic literature, Jamia-tu-Raza Registered, Islamabad.
IT Supervisor:
Dr. Zeeshan Ali
Ph.D. Computer Sciences.
IT Co-ordinator:
Fahad Ubaid
MS(CS).

EDITORIAL BOARD

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
Islamic Studies Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Dr. Ayesha Rafique
Islamic Studies Department, Gift University, Gujranwala.
Dr. Abdul Basit Mujahid
History Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Dr. Roshan Ali
Islamic Studies Department, IMCB, Islamabad.
Dr. Karam Hussain Wadhoo
Islamic Culture Department, Regional Directorate of Colleges, Larkana.
Dr. Ali Raza Tahir
Philosophy Department, Punjab Univeristy, Lahore.
Dr. Zulfiqar Ali
History, NoorulHuda Markaz-e Tehqeeqat.
Dr. Syed Nisar Hussain Hamdani
Ph.D. Economics, (Divine Economics), Chairman Hadi Institute Muzaffarabad AJK.

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 14 Issue: 4 Serial Issue: 62

Oct. to Dec. 2023 (Rabi al-Awal to Jamadi al- Sani 1444 Hijri)

Editor

Dr. Muhammad Hasnain Nadir

ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-1002-153X

E-mail: editor.nm@nmt.org.pk+noor.marfat@gmail.com

Publisher: Noor ul Huda Trust® Islamabad

Publisher Syed Husnain Abbas Gardezi published from Noor Ul Huda Trust Office Bara Kahu after Printing form Pictorial Printers, (Pvt) Ltd. 21, I&T Centre, Abpara (Islamabad).

Registration Fee: Pakistan, India: PKR:1000; Middle East: $70; Europe, America, Canada: $150

Indexed in

www.australianislamiclibrary.org/noor-e--marfat.html

ISLAMIC RESEARCH INDEX

https://iri.aiou.edu.pk/indexing/?page_id=37857

https://www.archive.org/details/@noor-e-marfat

https://www.tehqeeqat.org/urdu/journalDetails/132

EBSCOhost

https://www.ebsco.com/

ORCID

https://orcid.org/0000-0001-593-4436

Applied for Indexation

https://www.brill.com

https://www.noormag.ir

https://www.almanhal.com

https://www.scienceopen.com

https://www.aiou.academia.edu/NooreMarfat

https://www.scholar.google.com/

Websites

OJS

http://nooremarfat.com

https://www .nmt.org.pk/

Composer & Designer: **Babar Abbas**

eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nmt.org.pk
www.nooremarfat.com
Declaration No: 7334

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol. 14 Issue: 4 Serial Issue: 62 Oct. To Dec. 2023

- *Zikri* Sect: History, Beliefs and Traditions
- Patterns of Moderation in Imam Ali's Sayings
- Divine Traditions for the Economic Education in Quran
- Shia Biographers & Historians up to the 3rd Century (A.H)
- "The Pure Life" in the shadow of Piety, Cleanliness and Repentance
- "Study of a few Pages from: The Principals of Philosophy and The Methodology of Realism" (1)

Editor

Dr. Muhammad Hasnain Nadir

Publisher: Noor-ul Huda Trust® Islamabad.